908

7

مطلقہ عورت کا نان نفقہ

اور

سپریم کورٹ کا فیصلہ

شائع کردہ

دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ (یو۔پی)

Marfat.com

Marfat.com

دیباچہ

یہ رسالہ دار المصنفین کے رفیق حافظ محمد عمیر الصدیق ندوی نے بڑی محنت ودیدہ ریزی سے تیار کیا ہے، مطلقہ عورت کے نان نفقہ کے متعلق سپریم کورٹ نے مسلمان مرد پر جو ذمہ داری عائد کی ہے، اور اس سلسلہ میں مشترکہ سول کوڈ کی جو تجویز پیش کی ہے، اس کا پورا تجزیہ، اس رسالہ میں کیا گیا ہے، سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ دی کرمنل لا جرنل ناگپور میں شائع ہوا ہے، اس کو سامنے رکھ کر اس کے ہر پیراگراف کا مدلل جواب، قرآن وحدیث کی روشنی میں دیا گیا ہے،

امید ہے کہ اس رسالہ کے مطالعہ سے قارئین کو سپریم کورٹ کے فیصلہ کی نوعیت کا پورا اندازہ ہو جائے گا،

شریعت کا تحفظ کرنا مسلمانوں کے لئے جزو ایمان ہے، سپریم کورٹ کے فیصلہ کا روشن پہلو یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں میں بڑی بیداری پیدا ہو گئی، وہ کسی حال میں قرآن وسنت کے احکام کی خلاف ورزی پسند نہ کریں گے، کیونکہ اسی قسم کی خلاف ورزی ہوتی رہی تو پھر مسلمانوں کا وجود اس ملک میں باقی نہ رہ سکے گا، اسلئے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے ذہن کو صاف کر کے شریعت کی پاسداری اور استواری کیلئے ہمیشہ بیدار اور سرگرم عمل رہیں۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے ان کو اپنی بیداری اور سرگرمی میں بڑی مدد ملے گی اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم لوگوں کو توفیق عطا فرمائے، کہ ہم لوگ سچے اور پکے مسلمان بن کر اس ملک میں زندگی گزاریں اور اسی کے بعد ہم سچے اور پکے ہندوستانی اور محب وطن بھی ہو سکیں گے۔

یکم اکتوبر ۱۹۸۵ء

سید صباح الدین عبد الرحمن
دار المصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ

Marfat.com

111834

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید: مسلم پرسنل لا سے متعلق سپریم کورٹ کے ایک حالیہ فیصلہ نے ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے ایک اہم سوال پیش کر دیا ہے، ہمارے علما و فقہا اور دانشور حضرات اس فیصلہ کے مضمرات وعواقب کا جائزہ سنجیدگی سے لے رہے ہیں،

ہمارے سامنے بھی چیف جسٹس مسٹر چندر چوڑ کے فیصلہ کا پورا متن موجود ہے، یہ ناگپور کے رسالہ دی کرمنل لا جرنل مرتبہ دی آر منوہر ایڈووکیٹ میں شائع ہوا ہے، یہ فیصلہ خاصا طویل ہے، جس سے مقدمہ کی اہمیت اور جج صاحبان کی خصوصی کاوش کا اندازہ ہوتا ہے، چیف جسٹس نے اس میں نفس مقدمہ کے علاوہ، اخلاقیات، سیکولرزم، قومی یکجہتی، اور معاشرہ کے فساد اور اس کے سدباب وغیرہ ذیلی مسائل پر بھی لب کشائی کی ہے، بہتر تو یہ ہوتا کہ یہ پورا متن. قارئین کے سامنے ہوتا لیکن طوالت کے اندیشہ سے اس کے جستہ جستہ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، فاضل جج نے قرآن وحدیث سے مدد لی ہے، مستشرقین کے اقوال پیش کیے ہیں، مہر، طلاق، عدت اور نان نفقہ سے متعلق سوالات قائم کیے ہیں، اور اصل توجہ، اس نقطہ پر مرکوز کی ہے کہ ایک مفلس مطلقہ عورت کا خرچ اور نان نفقہ، عدت کے بعد کیسے اور کہاں سے ملے گا، دفعہ ۱۲۵ اور دفعہ ۱۲۷ کی قانونی بحث کے بعد انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ کوڈ کی دفعہ ۱۲۵ اور مسلم پرسنل لا میں اول تو کوئی تضاد نہیں ہے، اور اگر یہ تضاد ہے بھی تو ترجیح دفعہ ۱۲۵ کو حاصل ہوگی آخر میں انھوں نے حکومت پر اس لیے تنقید کی ہے کہ اس قسم کی دشواریوں پر قابو پانے کے لیے وہ

Marfat.com

یکساں سول کوڈ کا نفاذ نہیں کرتی ہے، پھر یہ مطالبہ کیا ہے کہ انصاف کی عام اور مساویانہ تقسیم کے لیے وہ یکساں سول کوڈ کو نافذ کرے اور اس کے لیے فاضل جج نے حکومت کو قانوناً مجاز بھی ٹھہرایا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر ضرورت پیش آتی ہے تو بعض مسلم دانشوروں کی رائے سے استفادہ کا بھی مشورہ دیا ہے،

فاضل جج نے عدل وانصاف کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر ہی یہ فیصلہ دیا [illegible] گا، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ عدالت کا ہر فیصلہ انصاف کے تمام پہلوؤں پر شامل ہو [illegible] اس میں تسامح اور لغزش کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو، ہم نے اس فیصلہ کے متن کو بالاستیعاب دیکھا تو حدیث و قرآن اور فقہ سے متعلق فاضل جج کی رایوں کو شریعت اسلامیہ کی مستند اور متداول تعبیرات سے بالکل الگ پایا ہے، اس لیے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا [illegible] ان غلط تعبیرات کی وجہ سے مذکورہ مقدمہ کا فیصلہ غلط اور [illegible] تو نہیں ہے اور اگر ایسا ہے تو پھر کیا یکساں سول کوڈ کے نفاذ پر زور دینا ایک [illegible] کو قائم کرنا نہیں ہے۔؟

اس مقدمہ میں چیف جسٹس کے علاوہ چار اور ججوں [illegible] ای ایس وینکٹا رمیا اور رنگاناتھ مسرا نے اپیل کی سماعت کی۔ فاضل ججوں کی لیاقت [illegible] پر شبہ نہیں کیا جاسکتا لیکن ایک خالص فقہی مسئلہ میں جس میں قرآن، حدیث اور فقہ [illegible] گہرے مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے، ان غیر مسلم حضرات کا فیصلہ دینا ایک [illegible]

اب ہم ذیل میں اس فیصلہ کے اہم مشمولات کو نقل کر [illegible] نمبروار ۳۵ پیراگراف ہیں، جہاں ضرورت ہوئی ہے، وہاں اختصار یا قدرے تفصیل کے ساتھ، فاضل جج کی رایوں پر ایک جائزہ پیش کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

فیصلہ کے پیراگراف نمبر ۲ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدمہ میں مدعی محمد احمد خاں جو پیشہ کے اعتبار سے ایک وکیل ہیں، ان کی سالانہ آمدنی تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ ہے، انھوں نے ۱۹۳۲ء میں شاہ بانو بیگم سے شادی کی تھی، اس شادی سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں، ۱۹۷۵ء میں انھوں نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا، اپریل ۱۹۷۸ء میں شاہ بانو بیگم نے شوہر کے خلاف اندور کے جوڈیشیل مجسٹریٹ کی عدالت میں ایک پٹیشن داخل کی، جس میں نان نفقہ کے لیے ماہانہ ۵۰۰/- روپیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا، اس کے چند مہینوں کے بعد نومبر ۱۹۷۸ء میں محمد احمد خاں نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے دی، اگست ۱۹۷۹ء میں فاضل مجسٹریٹ نے شوہر کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو ماہانہ ۲۵/- روپیہ بطور نان نفقہ ادا کرے، اس فیصلہ کے خلاف شاہ بانو نے مدھیہ پردیش ہائی کورٹ میں ایک اپیل کی، جس کے نتیجہ میں عدالت نے ماہانہ رقم کو بڑھا کر ۱۷۹ روپیہ بیس پیسے کر دیا، اس فیصلہ کے خلاف محمد احمد خاں نے سپریم کورٹ میں اپیل کی، اس اپیل کی سماعت ججوں کی جس بنچ نے کی اس میں مذکورہ بالا پانچ حضرات شامل تھے۔

اس پیراگراف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد احمد خاں نے بیوی کو گھر سے نکالنے کے بعد دو سال تک اس کو ۲۰۰ روپیہ ماہانہ رقم ادا کرتے رہے اور عدالت میں مہر کی رقم ... تین ہزار روپیہ بھی جمع کر دیے۔

مذکورہ تفصیلات میں سب سے پہلے جس عجیب بات پر نظر پڑتی ہے وہ فاضل مجسٹریٹ کا یہ فیصلہ ہے کہ مطلقہ کو نان نفقہ کے لیے ۲۵/- روپیہ ماہانہ رقم ادا کیجائے، مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ کے لیے کوئی دلیل ضرور دی ہوگی، مگر یہ بات ایک عام آدمی کی سمجھ سے بھی بالاتر ہے کہ ۲۵/- روپیہ کی ماہانہ رقم سے ایک عورت کا ... گزارہ کیسے ہو سکتا ہے نفقہ تو

Marfat.com

دور کی بات ہے، محض چائے اور پان کے خرچ کے لیے بھی یہ رقم ناکافی ہے، شاید یہی وجہ ہے، ...... کہ سپریم کورٹ کے فاضل جسٹس نے اس رقم کو شاہانہ عطیہ (Princely award) کہہ کر اس کا مذاق اڑایا ہے، مدھیہ پردیش ہائی کورٹ کے فیصلہ نے -/۲۵ روپیے کی رقم کو -/۱۷۹ روپیے بیس پیسوں میں بدل دیا، یہاں بھی اس تعیین پر ایک سوالیہ نشان قائم ہوتا ہے کہ یہ آخر کس مصلحت اور حساب سے بیس پیسے کی تحدید ہوئی ہے اگر ہم ان سوالوں کے جواب میں یہ کہیں کہ ۲۵ روپیہ اور ۱۷۹ روپیہ بیس پیسے سے نفقہ کے مسئلہ کو حل کرنا مقصود ہی نہیں تھا، بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ قرآن وسنت اور شریعت کے مسلمہ اصول کے خلاف ایک بنیاد قائم کر دی جائے، اور آیندہ کے لیے شریعت کے خلاف اس پر ایک عمارت کھڑی کر دی جائے تو ہمارا یہ سوچنا اور یہ کہنا غلط نہیں کہا جا سکتا ہے۔

پہلا اہم پیراگراف فیصلہ کے متن میں جزوی تفصیلات کی گنجائش نہیں ہوتی ہے، لیکن مقدمہ کی اہمیت کے پیش نظر اگر اس متن میں ان اسباب کی نشان دہی کر دی جاتی تو یہ اور بہتر ہوتا کہ تقریباً پچپن سال کے ازدواجی تعلقات کے بعد کس وجہ سے طلاق کی نوبت آئی، اور عمر کے اس دور میں جب کہ عقل وشعور میں پختگی اور سنجیدگی مکمل ہو جاتی ہے، طلاق جیسی انتہائی ناپسندیدہ اور "ابغض المباحات" چیز کا عمل، ناگزیر کس طرح ہوا؟ البتہ فاضل جج کے الفاظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قصور شوہر کا ہی رہا ہوگا، انکے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ "عورتوں کا طبقہ، معاشرہ میں، روایتی طور پر، غیر منصفانہ برتاؤ کا عادی رہا ہے" جج صاحب کے فیصلہ کا پہلا پیراگراف حسب ذیل ہے :-

"یہ درخواست کسی دستوری اہمیت کے مسئلہ سے متعلق نہیں ہے لیکن یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کسی اہم مسئلہ سے تعلق نہیں رکھتی ہے، کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں

Marfat.com

جو عام دیوانی اور فوجداری قانون کے تحت آتے ہیں لیکن وہ معاشرہ کے بعض طبقوں میں دورس اہمیت کے حامل ہوتے ہیں (خصوصاً) اس طبقہ میں جو روایتی طور پر غیر منصفانہ برتاؤ کا عادی رہا ہو، عورتیں، معاشرہ کا ایک ایسا ہی طبقہ ہے

منو، واضع قانون (قانون دہندہ) نے کہا ہے کہ عورتیں، حریت کا استحقاق نہیں رکھتیں۔

یہ بھی الزام عائد کیا جاتا ہے کہ "اسلام میں ایک اہم نقطہ، عورت کی ذلت و پستی کا ہے"

(مقدمہ: سلکشن فرام قرآن، ایڈورڈ ولیم لین ۱۸۴۳ء طبع جدید ۱۹۸۲ء)

پیغمبر سے یہ قول منسوب کیا جاتا ہے، اور توقع کی جاتی ہے کہ وہ غلط ہو کہ عورت "ایک ٹیڑھی پسلی سے بنائی گئی ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو یہ ٹوٹ جائے گی، اس لیے اپنی بیویوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ"

اس پیراگراف میں تین چار اہم باتیں ہیں جن کی جانب فاضل جج نے اشارہ کیا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ عورتوں کے مسائل اہم ہیں، ان کی اہمیت اس لیے ہے کہ معاشرہ میں ان کے اثرات دوررس ہوتے ہیں، اور عام طور سے معاشرہ میں عورتوں کے ساتھ شروع سے غیر منصفانہ برتاؤ جاری رہتا ہے، فاضل جج کی یہ تشویش حق بجانب ہے، مختلف معاشروں میں عورتوں کے ساتھ ظلم وجور اور غیر عادلانہ اور غیر مساویانہ برتاؤ کی مثالیں، سامنے آتی رہتی ہیں، ان کے بارہ میں ہم کو کچھ نہیں کہنا ہے۔ لیکن روئے سخن اگر مسلمان عورت کی جانب ہے، جیسا کہ عبارت کی اشارت اور ادا سے ظاہر ہے تو یہ بات پورے یقین، اعتماد اور ثبوت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اسلام نے عورتوں کو جو حریت، مساوات،

Marfat.com

احترام اور اہمیت بخشی ہے، وہ غیر قوموں کی عورتوں کو نہ تو اسلام سے پہلے حاصل تھی اور اسلام کے بعد بھی ان کو وہ مرتبہ و مقام حاصل نہیں ہو سکا جو مسلمان عورت کو حاصل ہے، آئندہ سطروں میں ہم اس کی وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے،

منوسمرتی اور ولیم لین کے اقوال

منوسمرتی کا یہ فرمان کہ "عورت حریت کا استحقاق نہیں رکھتی"، ہو سکتا ہے کہ اس کے مذہب اور تعلیمات کے عین مطابق ہو، ہم کو اس سے بحث نہیں، لیکن اس جملہ کے فوراً بعد مستشرق ولیم لین کا یہ قول نقل کرنا کہ "اسلام میں ایک اہم نقطہ عورت کی ذلت و پستی کا ہے" تو بیا ایک بے ربط کوشش ہے، عورت کے مرتبہ و مقام کو متعین کرنے کے لیے، قرآن، حدیث، تاریخ اسلام اور اجتماعیات کے بے شمار مسلمان علماء و فضلاء اور دانشوروں اور مصنفوں کے بجائے ایک مستشرق کی شہادت نہ صرف غلط استدلال ہے، بلکہ سراسر گمراہ کن ہے، جو ایک مسلمان کے لیے کسی طرح قابل قبول نہیں، یہاں اس کا موقع نہیں ہے، کہ ہم ان تمام آیات و احادیث اور حالات و واقعات کو نقل کریں جن سے ولیم لین کے مذکورہ جملہ کی تردید ہوتی ہو تاہم، قرآن مجید کی چند آیتیں بازخوانی کے مقصد سے پیش کی جاتی ہیں۔

عورت کا مرتبہ اسلامی حیثیت سے

قرآن مجید کو فاضل جج نے بھی سب سے بڑی سند تسلیم کیا ہے، (پیراگراف ۱۵) قرآن مجید سارے انسانوں کو مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تم سب ایک جان سے پیدا کیے گئے ہو اور پھر اسی ایک جان سے اس کا جوڑا پیدا ہوا، اور ان دونوں سے مرد و عورت پر مشتمل ایک مخلوق پھیلی، اس لیے آپس کی ذمہ داریوں اور صلہ رحمی میں اپنے رب سے ڈرتے رہو۔

یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی	اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے
خلقکم من نفس واحدۃ	تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا، اور

Marfat.com

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً، وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔ (نساء-۱)

اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں، تم خدا سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کیا کرتے ہو، اور قرابت کے حقوق ضائع کرنے سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تم سب کی اطلاع رکھتا ہے

انسانوں کی تخلیق ایک مرد اور ایک عورت سے ہوئی ہے، اس مساوات میں برتر صرف وہی ہے جو خدا کے احکام کی بجا آوری میں زیادہ منہمک اور متقی ہے۔

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (حجرات۔ رکوع ۲)

اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تم کو قوموں اور قبیلوں میں بنایا کہ تم ایک دوسرے سے واقف رہو، بیشک تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

مرد عورت، دونوں کی حقیقی کامیابی اور خوشگوار اور پاکیزہ زندگی کا دارومدار عمل صالح پر ہے، اور اسی پر ان کو اجر ملے گا، اور اس اجر کے ملنے میں دونوں میں کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا۔

Marfat.com

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی فَلَنُحْیِیَنَّهٗ | جو مرد و عورت عمل صالح کرتا ہو اور وہ مومن ہے
حَیٰوةً طَیِّبَةً وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ | تو اسکو ہم پاکیزہ زندگی دیتے ہیں اور ہم انکا اجر
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (نحل۔) | احسن طریقہ سے دیں گے انکے اعمال کے بدلہ میں

امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اقامت صلوٰۃ اور ادائی زکوٰۃ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت جیسے دین اور زندگی کے اہم امور کو انجام دینے میں، قرآن مجید نے مردوں اور عورتوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے، اور اللہ کی رحمت کے مستحق ہونے میں دونوں کا ذکر ایک ضمیر کے ساتھ ہے یعنی فرائض کی ادائیگی اور صلہ کے استحقاق میں ان دونوں میں مکمل مساوات ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ | اور مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ ایک دوسرے
یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ | کے دوست ہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں برائی سے
وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ | روکتے ہیں نماز کو قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں
یُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَیَرْ | اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں
حَمُهُمُ اللّٰهُ ۔ (توبہ ۔ ۱۱) | ان لوگوں پر اللہ رحم کرے گا۔

سورہ احزاب کی ایک آیت میں مسلمان مرد و عورت کی بعض اہم خصوصیات کے ذکر میں تفصیل کے ساتھ دونوں کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے۔ مسلمان مرد، مسلمان عورت، مومن مرد، مومن عورت، فرمانبردار مرد، اطاعت گزار عورت، سچے مرد، سچی عورت، صبر کرنے والے مرد، صابر عورت، خدا سے ڈرنے والا مرد، خدا سے ڈرنے والی عورت، خدا کی راہ میں بھلائی کرنے والا مرد، اور عورت، روزہ دار مرد، روزہ دار عورت، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت مرد اور حفاظت کرنے والی عورت خدا کو خوب یاد کرنے والا مرد اور عورت، یہ سب خدا کی جانب کی مغفرت اور اجر عظیم میں یکساں بہرہ یاب ہیں،

اِنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ...... مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا

ایک آیت میں مرد و عورت دونوں کی درجہ بندی، انکے اعمال کے لحاظ سے کی گئی ہے ارشاد ہے

Marfat.com

ساتھی برے اور اچھوں کے لیے اچھے رفیق ہوتے ہیں یہاں بھی ان دونوں میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں۔

الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثات	بری عورتیں برے مردوں کیلئے اور برے مرد بری عورتوں کیلئے
والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات (نور ۲۶)	ہیں اور اچھی عورتیں اچھے مردوں کیلئے اور اچھے مرد اچھی عورتوں کیلئے ہیں

اس قسم کی آیتیں اور بھی ہیں یہاں ان سب کا احاطہ واستقصا ضروری نہیں ہے ان سب آیتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے مرد و عورت کے میدان عمل اور انکی کاوشوں کے صلہ میں مساوات اور اعتدال و توازن کا لحاظ رکھا ہے کسی بھی آیت سے یا کسی بھی حکم سے یہ ظاہر ہی نہیں ہوتا کہ عورت کے حصہ میں ذلت و پستی کی کوئی مقدار الگ سے رکھ دی گئی ہو۔ اوپر کی چند مثالوں میں تو عام عورت کی بات تھی قرآن مجید میں عورت کے تین اہم کردار یعنی ماں بیوی اور بیٹی کے بارہ میں بارہا الگ سے تاکید بیان ہوئی ہے۔

ماں ماں کے بلند مرتبہ اور اسکی خدمت و طاعت کی ترغیب اور اسکے ساتھ درشت کلامی یا سلوک بد کی وعید میں کئی آیتیں ہیں۔ سورۂ نساء میں اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے معاً بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم بھی موجود ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ	اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے
شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا،	ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھراؤ اور
(نساء - ۳۶)	ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو

سورۂ بنی اسرائیل میں بھی اللہ تعالےٰ کی عبادت کے حکم کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کی کسی بات پر اف تک نہ کرنے اور نہ ان کے ساتھ درشت کلامی کرنے کا حکم ہے، ان سے ادب سے بات کرنے اور ہمہ وقت ان کے ساتھ مہربانی اور انکسار کا معاملہ کرنے کا واضح حکم ہے

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ	آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم لوگ
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ	صرف اسی کی عبادت کرو اور ماں باپ کے

Marfat.com

عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا	ساتھ حسن سلوک کرو، اگر وہ دونوں یا
فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا	ان میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو جائے تو ان کو اف تک
وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا، وَاخْفِضْ	نہ کہو اور ان سے شریفانہ بات کرو، اور نرمی و رحم کے
لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ	ساتھ انکے سامنے جھک کر رہو اور دعا کرو کہ
وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ	اے رب ان دونوں پر رحم فرمائیے جیسا کہ
صَغِيْرًا۔ (بنی اسرائیل ۲۳ - ۲۴)	ان لوگوں نے مجھ کو بچپن میں پالا تھا۔

حضرت یحییٰ کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید نے ان کا یہ وصف خاص طور پر بیان کیا ہے کہ وہ والدین کے خدمت گزار اور ان کے ساتھ خوش سلوک تھے، سرکش اور نافرمان نہیں تھے۔

وَكَانَ تَقِيًّا وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ	اور وہ پرہیزگار تھے اور اپنے والدین
وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا	کے فرماں بردار تھے اور ظالم و سرکش
(مریم - ۱۴)	نہیں تھے۔

حضرت عیسیٰ کا بھی یہی خاص وصف بیان کیا گیا کہ

وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ	اور مجھ کو میری والدہ کا فرمانبردار بنایا
جَبَّارًا شَقِيًّا، (مریم - ۳۲)	اور ظالم و بدبخت نہیں بنایا

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے پوری بنی نوع انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، والدین کے حکموں کی اطاعت ضروری ہے بجز اس کے کہ وہ شرک و کفر پر آمادہ کریں یا کسی معصیت کے ارتکاب کی بات کریں تو ایسی صورت میں ان کی بات اور حکم لائق اطاعت نہیں ہے۔

Marfat.com

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ۚ وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۔
(عنکبو - ۸)

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اور اگر وہ تم کو اس پر آمادہ کریں کہ تم میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کا تم کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مانو

اللہ کی رضا کے طالب بندوں کے لیے بہتری اور خیر اسی میں ہے کہ وہ قرابت کا حق ادا کریں، جس میں والدین کے ساتھ دوسرے قرابت دار بھی شامل ہیں۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۔
(روم - ۳۸)

قرابتداروں کو ان کا حق دو اور مسکین و مسافر کو، یہ ان لوگوں کیلئے باعث خیر ہے جو اللہ کی رضا کے جویا ہیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے تو ماں کا رتبہ اس لیے بلند ہے کہ اس نے حمل اور دودھ پلانے کی مدت میں خاص طور سے ضعف پر ضعف کے باوجود، سخت ترین مشقتوں اور اذیتوں کو برداشت کیا، اس کا بدلہ صرف یہی ہے کہ خالق حقیقی خدا کے شکر گزار ہونے کے ساتھ وجہ تخلیق والدین کا بھی احسان مند ہوا جائے، دنیا میں اچھے اور بھلے طریقہ سے ان کے ساتھ پیش آیا جائے،

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ

اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی ماں نے اس کو ضعف پر ضعف کے

Marfat.com

وَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۔ (لقمان ۔ ۱۵-۱۴)

باوجود پیٹ میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہوا، کہ میرا شکر ادا کرے اور اپنے ماں باپ کا، میری ہی طرف لوٹنا ہے اور اگر وہ اس کی کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہراؤ۔ جن کا تم کو علم نہیں، تو ان کی بات نہ مانو اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی سے

جن لوگوں کے حسن عمل کو قبولیت سے نوازا جاتا ہے اور جو لوگ محض خسارہ میں رہتے ہیں تو ان دونوں کے اعمال میں والدین کی اطاعت اور والدین کی نافرمانی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ سورہ احقاف میں یہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا

ہم نے انسان کو حکم دیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور جنا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا ۳۰ مہینوں کا رہا، یہاں تک کہ جب وہ جوان ہوا اور چالیس سال کا ہوا تو اس نے کہا اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں

Marfat.com

تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ
اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ
اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ
اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ
سَیِّاٰتِهِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ
وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا
یُوْعَدُوْنَ ۔
وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ
لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ
خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ وَهُمَا
یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ
اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۔ فَیَقُوْلُ
مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ
اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ
الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ۔

(احقاف - ۱۷ - ۱۸)

جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو
عطا کیں اور یہ کہ ایسے نیک عمل کروں
جن سے تو خوش ہو، اور میری اولاد میں
میرے لیے درستگی کا سامان رکھ میں تیری
جانب رجوع کرتا ہوں اور میں اطاعت
گزاروں میں ہوں یہی وہ لوگ ہیں
جن کے بہترین عمل کو ہم قبول کرتے ہیں
اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں یہ جنت والوں میں ہیں سچا وعدہ جو ان سے کیا جاتا تھا
اور وہ جو اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ افسوس
ہے کیا تم مجھے یہ خوف دلاتے ہو کہ میں پھر
زندہ کیا جاؤں گا، اور مجھ سے پہلے صدیاں
گزریں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے
کہتے ہیں کہ افسوس ایمان لے آ، اللہ کا
وعدہ سچ ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو صرف
اگلوں کی باتیں ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر
عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے ان سے پہلے
جنوں اور انسانوں کے جو قبیلے اس طرح
کے گزرے ان میں یہ بھی ہیں بیشک
یہ لوگ نقصان میں ہیں۔

ان آیتوں کے بعد ماں اور باپ کا درجہ اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ جس

Marfat.com

اہمیت کے ساتھ متعین ہوتا ہے، اس کے بعد کسی اور تفصیل کی ضرورت نہیں رہتی ہے، لیکن رسول اللہؐ کی تعلیمات جو دراصل قرآن کی تعلیمات کی تشریح اور توضیح ہیں، ہم ان کے بھی کچھ نمونے پیش کرتے ہیں۔

رسول اللہؐ نے مختلف موقعوں پر صحابہ کرامؓ کے سامنے خدا کے نزدیک محبوب ترین اعمال کو بیان کیا ہے، ایک موقع پر آپؐ نے نماز کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کے عمل کو خدا کے نزدیک محبوب ترین عمل بتایا، اور اس کو جہاد فی سبیل اللہ جیسے عمل پر فوقیت دی۔

اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِہَا ۔۔۔۔ ثُمَّ بر الوالدین ۔۔۔۔ ثُمَّ الْجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ[1]	نماز اپنے وقت پر پھر ماں باپ کی فرمانبرداری پھر جہاد فی سبیل اللہ۔

امام بخاری نے "مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَۃِ، لوگوں میں حسن صحبت کا سب سے زیادہ حقدار کون" کے تحت یہ حدیث درج کی ہے۔

جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ من احق بحسن صحابتی. قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال ابوک۔[2]	[illegible]	ایک شخص رسول اللہؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میرے حسن صحبت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے، آپ نے فرمایا تمہاری ماں پوچھا پھر کون فرمایا تمہاری ماں، پوچھا پھر کون آپ نے فرمایا تمہاری ماں، انھوں نے

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۲ [2] ایضاً

Marfat.com

والدین کی خدمت کے لیے اگر اولاد کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے تو پھر ایسی اولاد کے لیے جہاد میں شامل ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ ماں باپ کی خدمت ہی میں ان کے لیے جہاد کے برابر ثواب ہے۔

قال رجل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم	ایک صاحب نے حضورؐ سے عرض کیا کہ
اجاھد قال لک ابوان	کیا میں جہاد کروں، آپؐ نے فرمایا تمھارے
قال نعم قال ففیھما فجاھد[1]	ماں باپ ہیں؟ کہا ہاں، فرمایا تو ان
	دونوں (کی خدمت) میں لگے رہو۔

نسائی کی روایت ہے کہ ایک صحابی حضرت جاہمہ جہاد میں شریک ہونے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے فرمایا کہ تمھاری ماں ہیں؟ ان کی خدمت کرو کہ ان کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

فقال ھل لک من ام قال نعم	آپؐ نے فرمایا کہ تمھاری ماں ہیں،
قال الزمھا فان الجنۃ	کہا ہاں، آپؐ نے فرمایا مستقل ان کی
عند رجلیھا[2]	خدمت کرو اس لیے کہ جنت ماں کے
	پیروں میں ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی جانب اشارہ ہے، کہ اگر جنت تلواروں کے نیچے ہے تو ماں کے قدموں کے آس پاس بھی ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق آپؐ نے اس شخص کے حق میں رنج و افسوس کے کلمات بیان فرمائے جس نے والدین کو یا ان میں سے کسی کو بڑھاپے میں پایا پھر بھی انکی خدمت کے

---

[1] صحیح بخاری، ج ۱۰ ص ۸۰۲ [2] ایضاً [3] جمع الفوائد، ابن اثیر جزری ج ۲ ص ۱۶۸۔

Marfat.com

ذریعہ جنت کا مستحق نہ بن سکا۔

رغم انفہ رغم انفہ رغم انفہ — برباد ہوا، برباد ہوا، برباد ہوا .....

... من ادرک والدیہ عند الکبر — جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے

او احدھما ثم لم یدخل الجنۃ [1] — کسی کو بڑھاپے میں پایا پھر بھی جنت میں نہ

ماں اگر غیر مسلم ہے، مشرک و کافر ہے تو بھی صلہ رحمی کا آپؐ نے حکم دیا، حضرت اسماءؓ نے

اپنی غیر مسلم ماں کے بارہ میں سوال کیا۔

افاصل امی قال نعم صلی امک [2] — کیا میں اپنی ماں سے صلہ رحمی کروں فرمایا

ہاں اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو،

اس قسم کی اور بھی حدیثیں ہیں جن کو حدیث و فقہ کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

بیٹی — ماں کا درجہ تو خیر ظاہر ہے، عورت کا ایک اور کردار بیٹی کی صورت میں ہے یہ تاریخی

حقیقت ہے کہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد دوسرے غیر مسلم معاشروں میں لڑکی کے وجود کو

وجود کو اچھا نہیں سمجھا گیا، بلکہ ان کو زندہ درگور کر دینے، پیدا ہوتے ہی ختم کر دینے اور ان کی

پیدائش پر عار محسوس کرنے کے واقعات تاریخ کے صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید نے انتہائی پر زور اور پر اثر انداز میں بیٹیوں کی اس زندہ درگوری کے خلاف

آواز بلند کی کہ قیامت کے دن یہ سوال ضرور ہوگا کہ بیٹیوں کو کس جرم میں مار گیا تھا۔

واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت (التکویر - ۸-۹) — اور جب زندہ درگور کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں ماری گئی۔

---

[1] جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۲۰ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۴۔

Marfat.com

بیٹیوں کو دیوتاؤں پر بھینٹ چڑھایا جاتا تھا، قرآن نے اس کو بربادی کا طریقہ بتایا،

وکذلک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم۔ (الانعام - ۱۳۷)

اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کیلئے ان کے شرکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں

قرآن مجید نے ایسے لوگوں کی نفسیاتی بیماری کی تشخیص کی ہے جن کو بچی کی پیدائش کی خبر ملتی ہے تو غم و غصہ سے ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں، وہ بچی کی پیدائش کی خوشخبری پر بجائے مسرور ہونے کے کڑھتے رہتے ہیں، اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کریں، اس ذلت کو برداشت کریں یا پھر اس کو سپرد خاک کر دیں۔

واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسودا وھو کظیم یتواری من القوم من سوء ما بشر بہ، ایمسکہ علی ھون، ام یدسہ فی التراب (نحل ۵۹-۵۸)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غصہ کے گھونٹ پیتا ہے لوگوں سے اس خوشخبری کی تکلیف کی وجہ سے چھپتا پھرتا ہے (سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا اس کو مٹی میں دبا دے۔

اسلام نے ان بیٹیوں کو بجائے عار و شرم کے جنت کے استحقاق کا سبب بنا دیا، انسان اور جہنم کے درمیان یہ بیٹیاں ایک آڑ، اور ایک حجاب بن گئیں، صحیحین اور ترمذی کی روایت ہے کہ

من ابتلی من ھذہ البنات

ان بچیوں کے بارہ میں جس شخص کی کچھ بھی

Marfat.com

فبغی فاحسن الیھن کن لہ ستراً من النار۔[1]

آزمائش کی گئی اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو یہ بچیاں اس کے لیے جہنم سے حجاب جائیں گی۔

ایک اور روایت کے مطابق قیامت کے دن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا شخص انتہائی قریب ہوگا جس نے دو بچوں کی پرورش اور تربیت کی ہو۔[2]

ترمذی کی روایت ہے کہ جس نے تین بہنوں یا بیٹیوں یا دو بہنوں اور بیٹیوں کی عمدہ طور پر پرورش کی تو جنت اس کی ہوگئی۔

من عال ثلاث بنات أو ثلاث اخوات أو اختین أو بنتین فأدبھن واحسن الیھن فلہ الجنۃ

جس نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بہنوں یا دو بیٹیوں کی پرورش کی، ان کو تہذیب سکھائی ان سے اچھا برتاؤ کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔

ایک اور روایت میں واضح طور پر یہ الفاظ ہیں کہ جس شخص کی بیٹی ہوئی، پھر اس نے اس کو زندہ درگور نہیں کیا ان کو ذلیل نہیں سمجھا بیٹوں کو اس پر ترجیح نہیں دی تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے اجر میں جنت میں داخل کریں گے۔

من کانت لہ انثی فلم یئدھا ولم یھنھا ولم یؤثر ولدہ یعنی الذکور علیھا ادخلہ اللہ الجنۃ۔[3]

جس کی بیٹی ہو پھر وہ اس کو زندہ دفن نہ کرے نہ اس بچی کی توہین کرے اور نہ اس پر بیٹوں کو ترجیح دے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریں گے۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۶۔ [2] جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۲۹ [3] ایضاً ج ۲ ص ۱۲۷

بیوی کا درجہ بیوی کا درجہ، چونکہ معاشرہ کی تعمیر و تشکیل میں سب سے زیادہ باوزن اور اہم ہوتا ہے، اس لیے اس کے متعلق احکام بھی زیادہ ہیں، سورۂ بقرہ، نساء، نور، روم، تحریم اور طلاق میں اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں، ہم ان میں سے چند کو یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ بیوی کی منزلت و اہمیت، اس کی فطرت و صلاحیت اور اس کے متعلق حقوق و فرائض کی وضاحت ہو سکے۔

بیوی کا وجود باعث تسکین ہے، اور یہ سکون آپس کی محبت اور مودت سے حاصل ہوتا ہے۔

ومن آیاتہ خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ (روم - ۲۱)

خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمھارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور خدا نے تمھارے درمیان مودت و رحمت بنائی۔

بیوی کے ساتھ بھلائی کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہیے، ان کی بات ناگوار خاطر ہوتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ اسی میں خیر اور بہتری پوشیدہ ہو۔

وعاشروھن بالمعروف، فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا (نساء - ۱۹)

ان (بیویوں) کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی بسر کرو، اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کسی چیز کو تم برا سمجھتے ہو اور اللہ اس میں خیر کثیر رکھتا ہے۔

امام جصاص نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شوہر پر مہر اور نفقہ کے جو حقوق ہیں، ان کو پورا کرے، درشت کلامی اور اعراض اور غیر عورت کی طرف التفات کی وجہ سے اس کو اذیت نہ دے، حتی کہ بیوی کے سامنے چہرہ بشرہ سے بھی نفرت و بیزاری کا اظہار نہ کرے۔[1]

---

[1] احکام القرآن، جصاص ج ۲ ص ۱۰۹

Marfat.com

بیوی کے لیے اسی طرح کے حقوق شوہر پر ہیں جس طرح کے حقوق شوہر کے بیوی پر ہیں یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ	ان (عورتوں) کے حقوق ایسے ہی ہیں
بِالْمَعْرُوفِ۔	جیسے ان پر (مردوں) کے حقوق ہیں،
(بقرہ - ۲۲۸)	اچھے طور پر۔

امام قرطبی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ مردوں پر عورتوں کے حقوق زوجیت اسی طرح ہیں جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک بار فرمایا کہ میں اپنی بیوی کے لیے اسی طرح سجتا ہوں جس طرح وہ میرے لیے سنورتی ہے، اور جس طرح میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ میرا حق پوری طرح ادا کرے اسی طرح وہ اس کا اختیار رکھتی ہے کہ وہ اپنا حق پوری طرح وصول کرے[1]،

حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور روایت منقول ہے کہ مردوں پر عورتوں کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن صحبت اور خوش معاملگی کا سلوک ہو[2]

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے، کہ عورتوں کے بارہ میں اللہ سے ڈرو اور اسی طرح وہ تمھارے بارہ میں اللہ سے ڈریں[3]

قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے۔

للرجال نصیب مما اکتسبوا	مردوں کے لیے ان کے اعمال
وللنساء نصیب مما اکتسبن	کا حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان
	اعمال کا حصہ ہے۔

---

[1] تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۲۳۔ [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

شوہر اور بیوی دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی ہستی، اپنے فرائض و اعمال اور ان کے نتائج و ثمرات رکھتے ہیں۔

دنیا میں اللہ تعالےٰ ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر کسی نہ کسی خاص بات کی بنا پر فوقیت دیتا ہے۔ فطری طور پر عورت کی معیشت کی ضرورتیں، مردوں کے ذریعہ سے پوری ہوتی ہیں، اس لیے ذمہ داری اور کارگزاری میں سربراہی کا حق قدرتی طور سے مردوں کو حاصل ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ (نساء - ۶)	مرد عورتوں کے حاکم (زندگی کا بندوبست کرنے والے) ہیں اس لیے کہ اللہ نے ایک بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اور

وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ (بقرہ - ۲۲۸)	مردوں کا عورتوں پر ایک (خاص) درجہ ہے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ مرد کا درجہ اس لیے بلند ہے کہ وہ عقل میں خرچ کرنے کی طاقت میں، دیت، میراث اور جہاد میں بعض حیثیتوں سے عورتوں پر تفوق رکھتے ہیں[1] لیکن حضرت ابن عباسؓ کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ درجہ کی اس برتری سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت پر ابھارا جائے اور عورتوں کے ساتھ، اخلاقی اور اقتصادی دونوں طرح سے کشادگی کا سلوک کیا جائے یعنی جو افضل ہے، اسے ان اخلاق عالیہ کا زیادہ بڑا نمونہ ہونا چاہیے[2]۔

اور اصل بنیادی بات یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہیں دونوں کی

---

[1] قرطبی ج ۳ ص ۱۲۵ [2] ایضاً

11834

Marfat.com

زندگیاں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، اس لیے ضرورت اور مقصد میں دونوں یکساں اور مساوی ہیں۔

هن لباس لکم وانتم لباس لهن۔ (بقرہ۔ ۲۳)

وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔

اس بلیغ آیت کی تفسیر میں مفسرین نے مختلف رایوں کو بیان کیا ہے، ہم یہاں مولانا سید سلیمان ندوی رح کی ایک تحریر کو نقل کرتے ہیں، وہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"مرد و عورت کو ایک دوسرے سے تاکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے جنسی میلان کو ان کی معاشی اور معاشرتی کمی کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے، اس لیے یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم، ایک دوسرے کی پردہ پوش، ایک دوسرے کی زینت اور ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں ...... اس آیت میں بیسیوں معنی پوشیدہ ہیں تم ان کے ستر پوش ہو، وہ تمہارے لیے، تم ان کی زینت ہو وہ تمہاری، تم ان کی خوبصورتی ہو، وہ تمہاری، تم ان کی تکمیل کا ذریعہ ہو، وہ تمہاری یہی نکاح کے اغراض ہیں، اور انہی اغراض کو پورا کرنا حقوق زوجین کو ادا کرنا ہے"[1]

قرآن مجید کی یہ چند آیتیں جو ہم نے مختصراً پیش کی ہیں، لیکن ان سے یہ الزام باطل ہو جاتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں عورتوں کے ساتھ ذلت و پستی کا سلوک کیا جاتا ہے۔

حدیث نبوی اور عورتوں کے حقوق قرآن مجید کے بعد شریعت کا دوسرا سب سے بڑا ماخذ حدیث نبوی ہے۔ حدیث کی تمام کتابوں اور مجموعوں میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے باب موجود ہیں، ان ساری حدیثوں کو یہاں پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن زن و شو سے متعلق چند حدیثیں بطور

---

[1] سیرۃ النبی ج ۶، ص ۲۵۵۔

Marfat.com

استحضار ہم پیش کرتے ہیں، یہ حدیثیں مشہور و معروف ہیں، اسلامیات کا ہر طالب علم ان سے واقف ہے مگر جب یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کے ساتھ حقارت و نفرت کرنا ایک اہم نقطہ ہے تو پھر یادداشت میں تازگی لانے کے لیے ان حدیثوں پر دوبارہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔

ایک حدیث ہے۔

لا یفرک مومن مومنة، ان کرہ منہا خلقا رضی منہا اخر۔[1]

کوئی مومن مرد کسی مومن بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر وہ اس کی کسی عادت کو ناپسند کرے گا تو کسی دوسری عادت سے خوش بھی ہوگا۔

ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ذمہ داریوں کے تعلق سے مرد و عورت، دونوں اپنے فرائض کے بارہ میں جواب دہ ہیں۔

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ ...... الرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عن رعیتہ والمرأة راعیة علی اھل بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولة عنہ[2]

سنو، تم سب ذمہ دار ہو اور اپنی ذمہ داری کی چیزوں کے بارہ میں جوابدہ ہو، مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے، اور ان کے بارہ میں جواب دہ ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں کی اور اس کے اولاد کی ذمہ دار ہے اور اس سے متعلق جوابدہ ہے۔

شوہر پر بیوی کا حق ہے، اور بہترین انسان وہی ہے جو اپنی بیوی کے لیے بہتر ہو اور دنیا

---

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع باب الوصیة بالنساء [2] فتح الباری شرح بخاری ج ۹ ص ۲۲۱۔

Marfat.com

سب سے بہتر چیز نیک بیوی ہے، اس مضمون کی مختلف حدیثیں ہیں، مثلاً

ان لزوجك عليك حقا	تمھاری بیوی کا تم پر حق ہے۔
اكمل المومنين ايمانا احسنهم خلقا وخياركم خياركم لنسائهم	کمل مومن وہ ہے جو بہترین اخلاق والا ہو اور تمھارے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہیں۔
خيركم خيركم لاهله وانا خيركم لاهلى	تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والے کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے اہل کے لیے تم سب سے بہتر
الدنيا متاع وخير متاعها المراة الصالحة۔	جملہ دنیا ایک سامان ہے اور اس کا بہترین سامان نیک عورت ہے۔

یہ اور اس قسم کی دوسری حدیثیں، احادیث کے مجموعوں میں موجود ہیں، اور ان کو علماء و مصنفین نے بار بار اپنے مضامین اور کتابوں میں نقل کیا ہے، ان مصادر و مآخذ کی موجودگی میں ولیم لین یا کسی بھی مستشرق کے حوالے سے کسی کی ذاتی رائے کی شہادت اور گواہی کی حیثیت، غیر معتبر ہو جاتی ہے اور اس شہادت کو دلیل بنانا یا اس کو قبول کرنا بھی انصاف نہیں ہے۔

اسلام میں عورتوں کی اہمیت کا پیمانہ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ رسول اکرم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو آخری خطبہ دیا اس میں عورتوں کے بارہ میں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا، آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ :-

فاتقوا الله فى النساء فانكم اخذتموهن بامان الله (صحیح مسلم کتاب الحج)	عورتوں کے بارہ میں اللہ سے ڈرو اس لیے کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے۔

Marfat.com

ایک حدیث اور فاضل جج کی رائے ہم یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ فاضل جج کو ان حدیثوں کا علم نہیں ہے کیونکہ انھوں نے اپنے فیصلہ میں ایک حدیث کو بھی پیش کیا ہے، لیکن منوسمرتی اور ولیم لین کے اقوال کے سیاق سباق میں اس حدیث کو پیش کرنے سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ اس حدیث سے عورتوں کی کمتری کا اشارہ ملتا ہے، فاضل جج نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث پیغمبر سے منسوب کی جاتی ہے، اور توقع ہے کہ یہ غلط ہوگی hopefully wrongly لیکن یہ حدیث صحیحین کی متفق علیہ ہے، اور حسب ذیل ہے۔

استوصوا بالنساء خیراً فانھن	عورتوں سے بہتری کا سلوک کرو وہ
خلقن من ضلع وان اعوج	پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی کا سب سے
شئی فی الضلع اعلاہ فان ذھبت	ٹیڑھا حصہ اس کا بلند حصہ ہوتا ہے تم
تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ	اگر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے
لم یزل اعوج، فاستوصوا	تو اس کو توڑ دوگے اور اگر اس کو چھوڑ دو
بالنساء خیراً	گے تو وہ برابر ٹیڑھا رہے گا۔ تو عورتوں
(بخاری ج ۲ ص ۰، باب المداراۃ مع النساء)	سے بہتری کا سلوک کرو۔

امام بخاری نے اس حدیث کو باب المداراۃ کے تحت درج کیا ہے، اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن معاملہ، مروت و محبت اور لطف و عنایت ہی اس حدیث کا مقصد ہے، بخاری کے مستند شارح امام قسطلانی کے الفاظ میں "عورتوں کے جذبات، اور ان کی فطری سرشت کو پیش نظر رکھا جائے اور اخلاق اور رواداری کا سلوک کیا جائے"[1] امام قسطلانی نے اس ضمن میں امام غزالی کی ایک رائے بھی نقل کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کے ساتھ خوش معاشرتی

---

[1] ارشاد الساری شرح بخاری ج ۸ ص ۸۷۔

Marfat.com

اس کا معاملہ حسن اخلاق کا ہو اور حسن اخلاق صرف یہی نہیں ہے کہ وہ عورت کی کسی تکلیف دہ بات کو روک دے بلکہ وہ اس بات کو برداشت بھی کرے، عورت کے طیش و غضب کے جواب میں تحمل اور برداشت سے پیش آئے۔"[1]

بخاری کے ایک اور شارح امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ عورتوں میں اگر کوئی خامی ہو تو اس کو نرمی اور لطف کے ساتھ درست کرنے کی فطرت کا اندازہ کیے بغیر اصلاح میں اتنی شدت نہ ہو کہ بجائے درست ہونے کے وہ اور زیادہ بگڑ جائیں اور ان کی غلطیوں سے اتنی چشم پوشی بھی نہ ہو کہ ان میں اصلاح اور درستگی نہ ہو سکے،[2]

ان مستند تشریحوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حدیث دراصل عورت کی ساخت اور سرشت کی

. . . .

. . . ایک بلیغ نفسیاتی تشخیص ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا سب سے بہترین علاج تجویز فرمایا ہے، اس لیے اس حدیث کے بارہ Hopefully wrongly کہنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

پیراگراف ۱۳ سے متعلق یہ گفتگو قدرے طویل ہو گئی، لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہ ضروری تھی، اب ہم فیصلہ کے دوسرے پیراگراف کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں یہ پیراگراف مقدمہ کے ابتدائی مرحلہ اور ہائی کورٹ کے فیصلہ سے متعلق ہے، جس کو ہم تشریح میں بیان کر چکے ہیں اس پیراگراف کے آغاز میں جو جملے ہیں وہ لائق توجہ ہیں، فاضل جج لکھتے ہیں:

درخواست کا تعلق صرف مسلمان عورتوں سے ہی نہیں ہے،	"یہ درخواست، ایک مسلمان مطلقہ عورت کی جانب سے نان نفقہ کے لیے دی گئی ہے، یہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ کو ... کرنے کی تعبیر

---

[1] ارشاد الساری شرح بخاری ج ۸ ص ۸۰، [2] فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۹

Marfat.com

دفعہ ۱۲۵ کے تحت ہے، اور یہ صاف طور پر ایک ایسے مسئلہ کو اجاگر کرتی ہے جس کا تعلق صرف مسلمان عورتوں یا عام عورتوں سے ہی نہیں ہے، بلکہ ان سب سے ہے جو مردوں اور عورتوں کے ایک مساوی معاشرہ کی تعمیر کے خواہش مند ہیں، اور یہ درخواست اس یقین کا احساس دلاتی ہے کہ نوع انسانی نے اس سمت میں ایک قابل لحاظ پیش قدمی کی ہے" (پیراگراف ۲)

ہم یہاں اس سے بحث نہیں کرتے ہیں کہ ضابطہ فوجداری . . . . کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت، نان نفقہ کے لیے ایک مسلمان مطلقہ عورت درخواست دے بھی سکتی ہے یا نہیں لیکن اس عبارت سے یہ مفہوم ضرور اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن و حدیث و فقہ اور صدیوں سے یک مسئلہ پر مسلسل تعامل کے خلاف، فیصلہ کے لیے درخواست دینا اور اس کو قبول کرنا یہ ایسا اہم اور زندگی کی گتھی کا سلجھنا ہے کہ اس سے ایک عادلانہ منصفانہ اور مردوں اور عورتوں پر مشتمل ایک مساویانہ معاشرہ کی عمارت کے لیے خشت اول مہیا ہوتی ہے اور گویا صدیوں سے ذلت و پستی کے اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کے لیے یہ ایک امید کی کرن ہے، ہم یہ نہیں جانتے ہیں کہ فاضل جج کی نیت کیا ہے، مگر اس عبارت سے جس مقصد اور محرک کا اظہار ہوتا ہے اس سے حسن نیت کی امید بھی نہیں کی جا سکتی۔

اس کے بعد فیصلہ کا تیسرا پیراگراف شروع ہوتا ہے جس میں بقول جج چند اہم مگر تکلیف دہ سوالات ہیں، یہ پورا پیراگراف حسب ذیل ہے، اس میں آسانی کے لیے نمبرات ہم نے قائم کر دیئے ہیں

چند اہم مگر تکلیف دہ سوالات | (۱) کیا مسلم پرسنل لا، شوہر پر اپنی مطلقہ بیوی کے لیے نان نفقہ کی فراہمی کی ذمہ داری عائد نہیں کرتا۔ (۲) بے شبہ مسلمان شوہر اپنے اس حق سے فائدہ اٹھاتا ہے، کہ وہ جب بھی طلاق دینا چاہے تو طلاق دے سکتا ہے، وجہ خواہ صحیح ہو یا غلط ہو یا کوئی اور وجہ یا وجہ کوئی بھی نہ ہو، (۳) لیکن کیا عدت کی مدت میں ایک حقیر

Marfat.com

رُزینہ ہی محض اس شوہر کے استحقاق کی قیمت ہے، (۴) کیا اپنے غیر عادلانہ طرز میں قانون اتنا سنگدل ہے کہ اس سے کوئی مطلب نہیں کہ عدت کی مدت میں، اپنی مطلقہ بیوی کے نان نفقہ کے لیے شوہر کس قدر رقم ادا کرتا ہے، (۵) حقیقت صرف یہ ہوتی ہے کہ شوہر نے کچھ رقم ادا کی، اس سے بحث نہیں کہ وہ رقم کتنی ہے، (۶) اور کیا اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے اس فرض سے چھٹکارا پا لیتا ہے کہ وہ اتنی کافی رقم مہیا کرے جس سے مطلقہ بیوی اپنے جسم و جان کو مجتمع رکھ سکے، (۷) پھر یہ بھی کہ کیا مسلم پرسنل لا میں کوئی ایسی دفعہ ہے جس سے مطلقہ بیوی کے لیے عند الطلاق کوئی رقم قابل ادا ہو" (پیراگراف ۳)

ان سوالوں کو پڑھنے کے بعد ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہندوستان کے اعلیٰ درجہ کے پانچ ججوں کو مسلم پرسنل لا کے طلاق و عدت و نفقہ کے احکام کا علم نہیں ہے، کیونکہ ان سوالوں میں ان کے جوابات بھی موجود ہیں، مثلاً (۱) کا جواب (۳) میں ہے، اور (۴) کا جواب (۵) میں ہے، البتہ پوری عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فاضل ججوں کا یہ بنچ مسلم پرسنل لا یا شریعت کے احکام کو ناکافی سمجھتا ہے، اور اسی وجہ سے اس کے لیے یہ سوالات اہم اور تکلیف دہ ہیں، ہم سوالوں کا جائزہ اسی لحاظ سے لیتے ہیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔

طلاق کا حق مردوں کو کیوں دیا گیا	یہ صحیح ہے کہ مسلمان شوہر کو طلاق دینے کا حق دیا گیا ہے، اور اس کو یہ حق اسی طرح حاصل ہے جس طرح اسے نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، ایک حدیث میں

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"اے لوگو، تم میں سے کسی کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے غلاموں کا نکاح کر کے طلاق دلاتا ہے"

الطلاق لمن اخذ بالساق۔[۱] طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے ۔۔۔

---

[۱] مشکوٰۃ، باب الخلع، ص ۲۸۱

Marfat.com

اور اگر مرد کو طلاق دینے کا حق ہے تو عورت کو خلع کا حق بھی دیا گیا ہے، اگر طلاق و خلع کے یہ حق ایسے ہی جیسے کسی "لاعلاج مرض کا آخری علاج ہوتا ہے" نکاح کا اصل مقصد تو زوجین کیلئے سکون اور محبت کی دولت کا حصول ہے۔

ان خلق لکم من انفسکم	کہ تمھارے لیے تم ہی سے جوڑوں
ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل	کو پیدا کیا تاکہ تم ان سے سکون
بینکم مودۃ ورحمۃ	حاصل کرو، اور (اللہ) نے تمھارے
(سورۃ ـ ۳)	درمیان مودت و رحمت
	بنائی۔

نکاح کی دوسرے مصلحتوں اور فائدوں میں بقائے نسل اور خاندان کی افزائش ہے زنا اور جنسی بے لگامی سے تحفظ ہے، عورت کی حفاظت، اس کی ذمہ داری اور دیکھ بھال ہے[1] اور انہی حقوق و فرائض کی ادائیگی کو حدود اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے[2] اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ان حدود کو قائم رکھنے میں اگر میاں بیوی کو کسی وجہ سے بھی دشواری پیش آتی ہو تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ پہلے تو آپس میں صلح صفائی کی کوشش ہونی چاہیے، یعنی شوہر اور بیوی دونوں کی جانب سے معاملہ فہم لوگ درمیان میں آئیں، اور اصلاح کی کوشش کریں، اس کوشش میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ صلح بہتر ہے، اور خدا کی طرف سے حالات میں بہتری کی گنجائش بھی ہے۔

وان خفتم شقاق بینھما	اور اگر تم کو ان دونوں کے درمیان

---

[1] خطبات احمدیہ، سرسید، ص ۲۰۰ [2] مبسوط، سرخسی ج ۵ ص ۱۹۲۔

[3] روح المعانی، آلوسی ج ۲ ص ۱۲

Marfat.com

فابعثوا حکما من اھلہ	اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ شوہر کی
وحکما من اھلھا، ان یریدا	جانب سے اور ایک عورت کی جانب سے
اصلاحا یوفق اللہ بینھما	مقرر کرو، اگر وہ دونوں صلح چاہیں گے
(نساء - ۶)	تو ان دونوں کے درمیان اللہ موافقت
	پیدا کرے گا۔
فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما	تو ان دونوں کے لیے کوئی حرج نہیں کہ
والصلح خیر۔ (نساء)	آپس میں صلح کریں اور صلح بہتر ہے۔

طلاق کیا ہے | لیکن ان کوششوں کے باوجود، اگر زوجین، حدود اللہ کا پاس نہیں رکھ سکتے اور اس کی وجہ سے نکاح کا حقیقی مقصد یعنی حسن معاشرت ہی ختم ہوتا ہے ... تو پھر دونوں کے لیے حالات میں تبدیلی لانے کی گنجائش ہے[1]۔ اور اسی کا نام طلاق ہے، اور اسی کی دوسری شکل خلع ہے اپنی حقیقت کے لحاظ سے یہ ایک غیر شرعی اور ممنوع فعل ہے، کیونکہ نکاح ایک نعمت ہے اور طلاق کفران نعمت ہے اور کفران نعمت حرام ہے نکاح ایک مسنون عمل ہے اور طلاق کا عمل ایک سنت کو ختم کرتا ہے، اسلیے بھی یہ کفران نعمت ہے لیکن اس نعمت کا حصول اسی وقت ہوگا جب زوجین میں اخلاق کی موافقت ہوگی، اگر یہ موافقت، مفقود ہوتی ہے تو پھر تنازعوں اور جھگڑوں کی راہ ہموار ہوتی ہے، اور اس صورت میں زوجین کا اچھے طریقہ سے الگ ہو جانا شرعاً مباح ہو جاتا ہے[2]۔ تاہم یہ مباح عمل، خدا کے نزدیک اس درجہ ناپسندیدہ کہ روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر اور کوئی ناپسندیدہ عمل نہیں ہے[3]۔

---

[1] مولانا ابو الکلام آزاد کے الفاظ میں "اگر مقصود نکاح کے فوت ہو جانے پر بھی علاحدگی کا دروازہ نہ کھولا جاتا تو یہ انسان کے آزادانہ حق انتخاب کے خلاف ایک ظالمانہ رکاوٹ ہوتی اور ازدواجی زندگی کی سعادت سے سوسائٹی کو محروم کر دینا ہوتا۔" (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۲۸۴) [2] مبسوط سرخسی جز ۶ ص ۲
[3] احکام القرآن، جصاص ج ۱ ص ۱۱۶۔

Marfat.com

رسول اللہؐ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے، جو محض عیش و ہوس کی وجہ سے شادیاں کرتے ہیں، اور پھر طلاق دے دیتے ہیں۔

لعن اللہ کل ذواق مطلاق[1] — اللہ تعالےٰ نے لعنت کی ہے ہر ہوس والے اور زیادہ طلاق دینے والے پر۔

آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ شادی کرو اور طلاق مت دو اس لیے کہ اللہ تعالےٰ ایسے مردوں اور عورتوں سے محبت نہیں رکھتے جو صرف ہوس کی تشنگی کو بجھانے کے لیے شادیاں کرتے ہیں۔

تزوجوا ولا تطلقوا فان اللہ لا یحب الذواقین والذواقات[2] — شادیاں کرو اور طلاق مت دو اللہ مزے لینے والے مردوں اور عورتوں سے محبت نہیں کرتا ہے۔

آپؐ نے اس عورت کو بھی خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے جو شوہر کی نافرمان ہو اور اسی وجہ سے خلع کا مطالبہ کرتی ہے۔

ایما امرأۃ اختلعت من زوجھا من نشوز فعلیھا لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین[3] — جس عورت نے اپنے شوہر سے نافرمانی کی وجہ سے خلع لی تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

اس شوہر پر بھی لعنت بھیجی ہے، جس کے ظلم کی وجہ سے عورت کو خلع کا مطالبہ کرنا پڑتا ہے۔[4]

ان آیتوں اور حدیثوں سے اس حقیقت کی نشان دہی ہوتی ہے، کہ اسلام میں طلاق یا خلع کے حقوق ایسے نہیں ہیں کہ جن سے مرد یا عورت کو غیر ضروری فائدہ حاصل کرنے کا حق پہونچتا ہو، اور ان سے نفسانی خواہشات کی تکمیل میں کوئی مدد ملتی ہو، بلکہ حقیقتاً یہ صرف

---

[1] مبسوط السرخسی جزء ۶ ص ۲ [2] احکام القرآن، جصاص ج ۲ ص ۱۱۰ [3] ایضاً [4] ایضاً

Marfat.com

ایک لاعلاج مرض کے آخری علاج کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے یہ کہنا کہ مرد اس حق سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور جب چاہے جیسے چاہے، طلاق کے حق کو استعمال کر لیتا ہے۔ اور مطلق طور پر بے سبب طلاق دے ڈالتا ہے، یہ حقیقت تک نارسائی کی دلیل ہے۔

فیصلے کے مذکورہ پیراگراف میں سوال نمبر ۳، نمبر ۴، نمبر ۵ اور نمبر ۶ کا تعلق عدت اور نان نفقہ سے ہے، ان سوالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم پرسنل لا شوہر پر اس کی مطلقہ بیوی کے لیے نان نفقہ واجب تو کرتا ہے، مگر یہ صرف عدت تک محدود ہوتا ہے، اور نفقہ صرف ایک معمولی روزینہ ہوتا ہے، جو شوہر کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے، اور قانون اس قدر سنگ دل ہے کہ اس کو یہ پرواہ نہیں ہوتی کہ اس معمولی روزینہ کی کچھ مقدار مقرر کر دے، مزید یہ کہ عدت کے بعد بیوی کا یہ حق مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے، اور پھر مطلقہ پر آئندہ کیا گزرے گی اس سے اس کو کچھ سروکار نہیں رہتا لیکن کیا یہ [illegible] ہے، ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

نفقہ کیا ہے اور کیوں ہے | یہ حقیقت ہے کہ شریعت نے مطلقہ عورت کے لیے عدت کی ایک خاص مدت کو مقرر کیا ہے، اور اس مدت میں شوہر پر یہ واجب ہے کہ وہ مطلقہ کو نفقہ ادا کرے اس نفقہ میں کھانا، لباس اور رہائش تینوں شامل ہیں۔[1] لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ خاص نفقہ صرف عدت میں ہی واجب کیا گیا ہے، نفقہ تو ایک ایسا حق ہے، جو بیوی کے لیے شوہر پر واجب ہوتا ہی ہے، بیوی خواہ مسلمان ہو یا یہودی یا عیسائی ہو، مکمل بالغ ہو یا قریب البلوغ ہو۔[2] اس لیے مطلقہ کے نفقہ کو سمجھنے کے لیے بیوی کے نفقہ کے اسباب و شرائط کو سمجھنا ضروری

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نفقہ کا تعلق جن اسباب سے ہے ان میں سے ایک زوجیت کا ہونا ...

النفقۃ متعلق باشیاء منھا   نفقہ کئی چیزوں سے متعلق ہے ان میں سے

---

[1] فتاویٰ قاضی خان ص ۴۲۵ [2] ہدایہ ا، ج ۲ ص ۴۱۷۔

Marfat.com

الزوجیة[1]

ایک زوجیت ہے،

ایک شخص کی یہ ذمہ داری کہ وہ کسی دوسرے شخص کے نفقہ کو برداشت کرے چند اسباب کی بنا پر ہوتی ہے۔ منجملہ ان کے ایک وجہ، زوجیت ہے۔

نفقة الغیر تجب باسباب	دوسرے کا نفقہ کے وجوب کی اسباب
منها الزوجیة۔[2]	ہیں ان میں سے ایک زوجیت ہے۔
نفقة الغیر تجب علی الغیر	ایک کا نفقہ دوسرے پر چند اسباب کی
باسباب ثلاثة، بالزوجیة	وجہ سے واجب ہوتا ہے یعنی زوجیت
والقرابة والملك۔[3]	قرابت اور ملک کی وجہ سے۔

نفقہ اور سکنی (مکان) یہ دونوں مالی حقوق ہیں، اور نکاح کے ذریعہ سے عورت ان کی مستحق ہوتی ہے۔

النفقة والسكنی كل واحد منهما	نفقہ اور سکنی، ان دونوں میں سے
حق مالی مستحق لها بالنکاح[4]	ہر ایک مالی حق ہے، جو نکاح کے ذریعہ
	عورت کا حق ہوتا ہے،

زوجیت کی وجہ سے نفقہ واجب ہونے کی ان فقہی رایوں کا ماخذ قرآن و حدیث ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن	اور بچے کے باپ پر ان (عورتوں) کا نفقہ
بالمعروف۔ (بقرہ ۲)	اور لباس ہے۔
وبما انفقوا من اموالهم (نساء)	اور اس وجہ سے کہ شوہر اپنا مال ان پر خرچ کرتے ہیں

[1] فتاوی قاضی خان ص ۴۲۲ [2] مبسوط سرخسی جزء ۵ ص ۱۸۰ [3] بحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۳ [4] مبسوط ج ۵ صفحہ ۱۸۰۔

Marfat.com

اسکنوھن من حیث سکنتم — ان عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق اپنے ساتھ رکھو

من وجدکم ولا تضاروھن — جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے

لتضیقوا علیھن (طلاق) — تکلیف مت پہنچاؤ

لینفق ذو سعۃ من سعتہ — کشادگی والا اپنی وسعت کے مطابق

(طلاق) — خرچ کرے۔

ان آیتوں کے علاوہ حدیثوں میں بھی یہی حکم دیا گیا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ

وان لھن علیکم نفقتھن و — اور بیویوں کا تم پر حق ہے ان کا نفقہ

وکسوتھن بالمعروف[1] — اور لباس ہے اچھے طریقے سے

ایک موقع پر رسول اللہؐ نے حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی حضرت ہندہ سے فرمایا کہ

خذی من مال ابی سفیان — تم ابوسفیان کے مال میں سے اتنا لے لو

مایکفیک وولدک بالمعروف[2] — جو تمہارے اور تمہارے بچے کو کافی ہو

اچھے طریقے سے

حق زوجیت کے علاوہ فقہا نے نفقہ کے واجب ہونے کی ایک وجہ اور بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ عورت شوہر کے پاس رکی رہتی ہے اس لیے اس کا اس حق کے بدلہ نفقہ ہے۔

ولان النفقۃ جزاء الاحتباس[3] — اور اس لیے کہ نفقہ احتباس (رکے رہنے) کا بدلہ ہے۔

دراصل یہ احتباس، حق زوجیت کی وجہ سے ہے، اسی لیے بعض فقہاء نے زوجیت کے

---

[1] ابن ماجہ ص ۱۳۳ [2] مسند امام شافعی ص ۱۷۰ [3] ہدایہ ج ۲ ص ۴۱۰

ساتھ اس کا الگ سے ذکر نہیں ہے ۔

وامانفقۃ للمرأۃ فمقابلۃ بالاحتباس وقد احتبست بحق الزوج فکان لہا النفقۃ علی الزوج [1]

اور عورت کا نفقہ، احتباس کے مقابلہ میں اور بیوی شوہر کے حق کی وجہ سے رکی رہتی ہے تو اس کا نفقہ شوہر پر ہے

امام سرخسی نے بھی ایسی ہی وضاحت کی ہے ۔

ولانہا محبوسۃ لحق الزوج ومفرغۃ نفسہا لہ فتستوجب الکفایۃ علیہ فی مالہ [2]

اس لیے بیوی، شوہر کے حق کی وجہ سے رکی رہتی ہے اور اس کے لیے اپنے نفس کو فارغ کرتی ہے تو اس کی کفایت شوہر پر اپنے مال میں واجب ہوتی ہے؛

اسی حق احتباس کی وجہ سے یہ اصول مقرر ہوا کہ نفقہ حالات کے لحاظ سے واجب ہوتا ہے، النفقۃ تجب شیأً فشیأً [3] اگر بیوی شوہر کے حق کے علاوہ کسی اور حق کی وجہ حالت احتباس میں ہے تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا، [4]

ان تمام مذکورہ مثالوں سے یہ ثابت ہوا کہ بیوی کا نفقہ، شوہر پر حق زوجیت کی بنا پر واجب ہے۔

<u>نفقہ کی مقدار کتنی ہے</u> | اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نفقہ کی مقدار کیا ہوگی، قرآن وحدیث میں نفقہ کے حکم کے ساتھ بالمعروف کا لفظ بھی آتا ہے، یعنی بھلائی کے ساتھ، دستور کے مطابق امام شافعی نے اس لفظ کی تشریح میں کہا کہ حقدار کو حق طلب کرنے میں جو زحمت پیش آتی ہے اس سے

---

[1] فتاویٰ قاضی خاں ص ۴۲۵ [2] مبسوط ج ۵ ص ۱۸۱ [3] بحر الرائق ج ۴ ص ۲۰۰ [4] الفتاوی العالمگیریہ ص ۵۴۵

پہلے ہی حق کو پہونچا دینا یہ معروف کا مفہوم ہے یعنی حق کی ادائیگی بطیب خاطر ہو اور اس میں کسی ناگواری کا شائبہ نہ ہو[1]

امام سرخسی نے بالمعروف سے یہ مراد لیا ہے کہ وہ اتنا کم نہ ہو کہ جز رسی ہو جائے، اور نہ اتنا زیادہ ہو کہ اسراف کہا جائے، اور اس میں زوجین کے حالات کا بھی لحاظ رہے۔

...... وھو فوق التقتیر ودون الاسراف لانہ مامور بالنظر من الجانبین[2]	وہ بخل کے درجہ سے اوپر اور اسراف سے کم ہے، اس لیے کہ اس کا حکم، جانبین کی حالت کو دیکھتے ہوئے ہے۔

امام قرطبی کا یہ قول ہے کہ معروف سے مراد ہے شرع کے عرف میں ایک متعارف مقدار، جس میں نہ کمی ہو نہ زیادتی۔

بالمتعارف فی عرف الشرع من غیر تفریط ولا افراط[3]	شریعت کے عرف میں جانی پہچانی مقدار جو نہ کم ہو اور نہ زیادہ ہو۔

ان تشریحوں کی وجہ سے فقہا نے نفقہ کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں کی، بلکہ اس کو وقت اور مقام کے دستور پر محمول کیا ہے، اور اصل وجہ پر زور دیا ہے کہ عورت کی کفالت اچھے اور بھلے طریقہ پر ہو۔

ولا تقدیر فی النفقة عندنا وانما یجب علیہ کفایتھا بالمعروف وذلک یختلف باختلاف الاوقات والاماکن[4]	ہمارے نزدیک نفقہ میں کوئی تعین نہیں بس صرف یہ شوہر پر اس قدر واجب ہے کہ بیوی کی کفایت اچھی طرح ہو سکے، اس سلسلے میں زمانے اور مکان کے فرق سے نفقہ بھی رہے گا۔

۱؎ کتاب الام ج ۵ ص ،، ۲؎ مبسوط ج ۵ ص ۱۸۱ ۳؎ الجامع الاحکام القرآن قرطبی ج ۳ ص ۱۲۳ ۴؎ فتاوی قاضی خاں ص ۴۲۵۔

Marfat.com

امام شافعی کا یہ قول ہے کہ بیوی جس شہر میں رہتی ہے، اس شہر کے عام دستور اور رواج کا اعتبار ہوگا،[۱] لیکن فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کی حالت کا لحاظ رکھا جائیگا،

وتعتبر فی ذالک حالهما جمیعاً[۲] اس نفقہ میں دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اس اعتبار اور لحاظ کی مزید تشریح یہ ہے کہ اگر زوجین مالدار ہیں تو مالداروں والا نفقہ اور غریب ہیں تو غریبوں والا نفقہ فطری طور پر ہوگا، لیکن بیوی اگر غریب ہے، اور شوہر مالدار ہو تو بیوی کا خرچ، مالدار عورتوں سے تو کم ہوگا لیکن غریب عورتوں سے بڑھ کر ہوگا[۳]۔ اور اگر بیوی مالدار ہے، اور شوہر غریب ہے تو اس وقت، بیوی کا نفقہ، غریب بیوی کے نفقہ سے بڑھ کر ہوگا،[۴] مگر عام دستور یہی ہے کہ تونگری اور تنگدستی دونوں کا اعتبار، شوہر کی حالت سے ہوتا ہے[۵]۔

مطلقہ کا نفقہ | اوپر کی ان معروضات میں نفقہ، اس کے اسباب اور اس کی مقدار کے بارے میں مختصر گفتگو کے بعد ہم اس موضوع پر آتے ہیں کہ عدت[۶] میں مطلقہ کا نفقہ کیا ہوتا ہے، جس کے متعلق فاضل جج نے یہ لکھا ہے کہ "اس مدت میں ایک معمولی خرچ، شوہر اپنی مرضی کے مطابق ادا کرتا ہے، اور یہ خرچ گویا طلاق دینے کے حق کا معاوضہ ہوتا ہے" (پیراگراف ۳)

عدت میں مطلقہ، نفقہ کی مستحق ہوتی ہے، خواہ اس کو طلاق رجعی دی گئی ہو، یا بائنہ اور مغلظہ طلاق دی گئی ہو وہ حاملہ ہو یا نہ ہو[۷]، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت، نکاح کے حقوق میں سے

۱؎ کتاب الام ج ۵ ص ۵۵۹ ۲؎ ہدایہ ج ۲ ص ۴۱۰ ۳؎ ایضاً ۴؎ الفتاوی العالمگیریہ ج ۱ ص ۵۴۳ ۵؎ فتاوی قاضی خان ص ۴۳۶ ۶؎ مدت کی مختصر تشریح یہ ہے کہ عورت اگر حائضہ ہے تو تین طہر یا تین حیض کی مدت ہے، اگر عورت حائضہ نہیں تو ۳ مہینے، حاملہ کی مدت وضع حمل اور جس کا شوہر مر جائے اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔
۷؎ فتاوی قاضی خان ص ۴۳۶، الفتاوی العالمگیریہ ص ۵۴۲ - ۵۵۱۔

Marfat.com

ایک حق ہے اور نکاح کا کوئی حق، جب تک کسی بھی درجہ میں پایا جائے گا، تو نفقہ بھی واجب رہے گا۔

وھذہ العدۃ حق من حقوق	یہ عدت، نکاح کے حقوق میں سے ایک
النکاح فکما یبقی باعتبار	حق ہے تو نکاح کے اس حق کے لحاظ سے
ھذا الحق ما کان لھا من	جب تک سکنی کا رہائش کا حق باقی رہیگا
استحقاق السکنی فکذلک النفقۃ[۱]	تو اسی طرح نفقہ بھی رہے گا۔

عدت کے نفقہ میں ایک بنیادی بات یہ بھی ہے کہ اگر طلاق مرد کی جانب سے دی گئی ہے، تو نفقہ واجب ہوگا[۲]، اور یہ نفقہ صرف عدت تک کے لیے ہوگا۔

السکنی والنفقۃ مادامت فی العدۃ[۳]	رہائش اور نفقہ اسوقت تک ہے جب تک وہ عدت میں ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد و عورت کے درمیان، طلاق کے واقع ہو جانے کے بعد صرف ایک وجہ باقی رہتی ہے، جس کی رو سے نفقہ کا استحقاق باقی رہتا ہے، اور یہ وجہ عدت ہے۔

ولا سبب لاستحقاق النفقۃ	اور نفقہ کے استحقاق کا کوئی سبب نہیں
سوی العدۃ[۴]	سوائے عدت کے

مطلقہ کے نفقہ کی مقدار اس نفقہ کی مقدار اور کیفیت میں، طلاق یا عدت کی وجہ سے کوئی کمی نہیں ہوگی، کیونکہ عدت کا نفقہ وہی ہوتا ہے، جو نکاح کا ہوتا ہے،

لان نفقۃ العدۃ بمنزلۃ نفقۃ	اس لیے کہ عدت کا نفقہ، نکاح کے نفقہ
النکاح[۵]	کے درجہ میں ہے،

عدت کا نفقہ، نکاح کے نفقہ کی طرح ہے، اس لیے معتدہ کے نکاح والے نفقہ کی طرح

---

۱ مبسوط ج ۵ ص ۲۰۲ ۲ فتاوی قاضی خاں ص ۴۴۴ اور الفتاوی العالمگیریہ ص ۵۰۔۴۴۴،

۳ مبسوط ج ۵ ص ۲۰۱ ۴ ایضاً ص ۲۰۳ ۵ فتاوی قاضی خاں ۴۴۲، بحر الرائق ج ۴ ص ۹۹۔۱۹۸

Marfat.com

یہ نفقہ ہوگا۔

لان هذه النفقة نظير نفقة النكاح فيعتبر فيها ما يعتبر في نفقة النكاح[۱]

اس لیے کہ یہ نفقہ، نکاح کے نفقہ کے مانند ہے تو اس میں انہی باتوں کا اعتبار کیا جائیگا، جن کا اعتبار نکاح کے نفقہ میں ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی آیت فامساک بمعروف او تسریح باحسان (تو روکنا ہے اچھے طریقہ سے یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ)، سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں خاص طور سے حسن سلوک کیا جائے تاکہ طلاق رجعی کی صورت میں شوہر کو رجوع کرنے میں زیادہ سہولت ہو، ان چند مثالوں سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ عدت میں، شوہر ایک معمولی سا گزارہ ادا کرتا ہے، اور شریعت کے قانون کو اس سے غرض نہیں ہوتی ہے کہ یہ رقم کتنی ہے، اور یہ کافی بھی ہے یا نہیں، (پیراگراف ۱۷۸)

یہ بھی ثابت ہوا کہ شریعت نے نکاح کی حالت میں بیوی کے لیے جو نفقہ مقرر کیا تھا، اسی نفقہ کو عدت میں بھی جاری رکھا، فاضل جج کے اس خیال کی بھی تردید ہوتی ہے کہ عدت کا یہ نفقہ، طلاق کے عوض میں ہے بلکہ یہ نفقہ اس لیے ہے کہ عدت، نکاح کا ایک حق ہے، اور اس سے نکاح کی بعض مصلحتیں متعلق رہتی ہیں،

عدت کی مصلحت | اب ہم یہ دیکھیں گے کہ عدت کی وہ مصلحتیں کیا ہیں، جن کی وجہ سے عدت کے زمانہ میں مطلقہ کے نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر واجب ہوتی ہے، اس سلسلہ میں فقہاء نے جو سب سے اہم مصلحت بیان کی ہے، وہ استبراء رحم ہے، یعنی رحم کی صفائی اور بے اختلاطی کے بارہ میں کوئی ایسا شک نہ رہنے پائے جس سے جنین کے نسب میں فساد کا اندیشہ ہو۔[۲]

---

[۱] الفتاوی العالمگیریہ ج ۱ ص ۵۵۰ [۲] اعلام الموقعین۔ ابن قیم ج ۲ ص ۸۵، عینی ج ۱۶ ص ۲۲۰،

ہدایہ میں ہے کہ

العدۃ وجبت للتعرف عن براءۃ الرحم فی الفرقۃ الطاریۃ علی النکاح[1]

عدت براءۃ رحم کو جاننے کے لیے ہے اور یہ اس جدائی کی وجہ سے ہے جو نکاح پر پیش آتی ہے۔

امام سرخسی کا قول ہے۔

المقصود تبین فراغ الرحم فکذلک العدۃ[2]

اور مقصد یہ ہے کہ رحم کا خالی ہونا ظاہر ہو، عدت اسی لیے ہے۔

عدت کی دوسری مصلحتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نکاح کی تعظیم اور اس کی عظمت و شرف کا یہ تقاضا ہے کہ اس بڑی نعمت کے چھن جانے پر رنج و افسوس کا اظہار اس طرح کیا جائے کہ ایک خاص مدت تک خاموش اور بے زینت رہا جائے[3]۔

یہ بھی مصلحت ہے کہ شوہر کو رجوع کرنے کے لیے ایک اچھی خاصی مدت مل جائے۔ جس میں وہ اپنے فعل پر اگر شرمندہ ہو تو اس کی تلافی کے لیے گنجائش رہے[4]۔

معلوم ہوا کہ عدت کی مصلحتوں میں شوہر کا حق، بیوی کی مصلحت یعنی نفقہ، بچہ کا حق اور زوج ثانی کا حق بھی شامل ہے، زوج ثانی کا حق یہ ہے کہ اس کو ایسا صاف رحم ملے جس میں کسی غیر کے بچے کے امکان کی آمیزش نہ ہو[5]۔

عدت کی یہ چند مصلحتیں ہیں جن کی وجہ سے اس کا حکم ہے، مطلقہ کے لیے نفقہ کی فراہمی شوہر پر واجب ہوتی ہے لیکن جب عدت گزرنے کے بعد ان مصلحتوں کے امکانات بھی ختم ہو جاتے ہیں، اور نکاح کا اثر مکمل طور پر طلاق کے ذریعہ ختم ہو جاتا ہے، یعنی نکاح کے وہ

---

[1] ہدایہ ج ۲ ص ۴۰۲ [2] مبسوط ج ۶ ص ۱۵ [3] اعلام الموقعین ج ۲ ص ۸۵، ۸۶

[5] اعلام الموقعین ج ۲ ص ۸۶

Marfat.com

طور پر جاری رہنے والی عدت مکمل ہو جاتی ہے، تو پھر اس حق کے عوض میں جاری رہنے والا نفقہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

عدت کے بعد نفقہ کیوں نہیں ہے؟ ہم اوپر یہ عرض کر چکے ہیں کہ زوجیت اور احتباس کے حق کی وجہ سے بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے، تو جب یہ شرط زوجیت ہی باقی نہیں رہتی تو پھر نفقہ کس حق اور کس شرط کے عوض میں جاری رہ سکتا ہے، مطلقہ، عدت کے بعد کسی بھی اجنبی اور عام عورت کی طرح ہو جاتی ہے، بلکہ طلاق مغلظہ کی سزا کے طور پر یہ سخت حکم بھی ہے کہ جب تک وہ نکاح ثانی نہیں کر لیتی پہلے شوہر کو اس سے نکاح کرنے کا اختیار بھی نہیں رہتا تو پھر نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر کیسے واجب کی جا سکتی ہے، یہ وجہ اس قدر بدیہی اور قرین عقل ہے کہ فقہاء اور کتب فقہیہ نے بے شمار مسائل میں کہیں بھی اس مسئلہ کا ذکر نہیں کیا ہے کہ کیا عدت کے بعد بھی شوہر پر مطلقہ کا نفقہ واجب ہو سکتا ہے یا نہیں۔

فتاوی کے مجموعوں میں بھی اس نوعیت کے استفسار نہیں ملتے۔ ہم کو نہایت تلاش کے بعد فتاوی نظامیہ اور فتاوی رضویہ میں ایک ایک استفسار اس نوعیت کا ملا جس کے جواب میں صاحب فتوی حضرات نے یہی فتوی دیا کہ عدت کے بعد مطلقہ کے لیے شوہر پر کوئی نفقہ واجب نہیں،[1] مسٹر ڈنشا فریدوں جی ملا نے آئندہ زمانہ کے نفقہ کی قرارداد کے تحت جہاں[2] ذکر کیا ہے، کہ اگر عقد نکاح، طلاق سے ٹوٹے تو زوجہ عدت تک نفقہ کی مستحق ہے نہ کہ تمام عمر کے لیے، وہیں انھوں نے اس استثناء کا بھی ذکر کیا ہے، کہ بجز اس کے کہ تمام عمر کے نفقہ کے لیے کوئی قرارداد پہلے سے ہو گئی ہو، مگر انھوں نے اس کے لیے کوئی شرعی دلیل

---

[1] فتاوی نظامیہ۔ مفتی رکن الدین ج ۲ ص ۲۰۳ اور فتاوی رضویہ، مولانا احمد رضا خان ج ۵ صفحہ

[2] اصول شرع اسلام، ملا مترجمہ مولوی مسعود علی بی اے، ص ۳۰۸۔

Marfat.com

نہیں دی ہے، اس لیے ہمارے لیے یہ شرط قابل قبول نہیں ہے۔

عدت کے نفقہ سے متعلق ان تصریحات کے بعد ہم مذکورہ پیراگراف ۳ کے اس سوال پر بعد میں گفتگو کریں گے کہ کیا طلاق کے وقت شوہر پر کوئی رقم واجب الادا ہوتی ہے یا نہیں۔

پیراگراف ۴ میں بائی طاہرہ اور فضلن بی کے مقدموں کا حوالہ ہے۔ ان مقدموں کے فیصلوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کورٹ نے مطلقہ کو دفعہ ۱۲۵ کے تحت نان نفقہ کے لیے درخواست دینے کا حق دیا تھا۔ مگر ان مقدمات کے ججوں جسٹس مرتضیٰ فضل علی اور اے وردا رحمن نے مقدمات کی اہمیت کے پیش نظر ایک حکم نامہ کے ذریعہ چیف جسٹس سے درخواست کی تھی کہ اس کی سماعت ججوں کی ایسی بنچ کرے جس میں تین سے زیادہ جج شامل ہوں۔

دفعہ ۱۲۵ کیا ہے | اس بعد پیراگراف ۵ میں کوڈ آف کرمنل پروسیجر کی دفعہ ۱۲۵ کی تعریف اور غرض وغایت مذکور ہے، اس دفعہ کے تحت مطلق طور پر بیوی، بچے اور والدین کے نان نفقہ کا حکم آتا ہے۔ اس کی رو سے ایک شخص جس کی آمدنی اچھی خاصی ہے، اور وہ اپنی ایسی بیوی کو جو خود اپنا خرچ نہیں چلا سکتی ہے، نفقہ دینے سے انکار کرتا ہے، یا اس سے صرف نظر کرتا ہو تو مجسٹریٹ درجہ اول کو یہ اختیار ہے کہ وہ ایسے شخص کو ثبوت مہیا ہونے پر نان نفقہ دینے کیلئے حکم جاری کرے، اور عدم تعمیل کی صورت میں اس شخص کو سزا دے۔ اس دفعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر شوہر نے دوسری شادی کی ہے، یا وہ داشتہ رکھتا ہے، اور ان صورتوں میں بیوی اس کے ساتھ رہنے سے انکار کرتی ہے، یا وہ شخص صرف اس صورت میں نان نفقہ دینے کے لیے تیار ہے، کہ اس کی دوسری بیوی کی موجودگی میں یہ بیوی اس کے ساتھ رہے اور بیوی اس کے ساتھ رہنے سے انکار کرتی ہے، تو مجسٹریٹ بیوی کے اس انکار کو صحیح وجہ تسلیم کرتے ہوئے، شوہر کو حکم دے گا کہ وہ اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری کو قبول کرے

Marfat.com

بیوی کے عموم میں مطلقہ شامل ہے!

اس دفعہ ۱۲۵ کی وضاحت میں جو نوٹ ہے، وہی اہمیت کا حامل ہے یعنی بیوی، کے لفظ کے عموم میں مطلقہ بیوی بھی شامل ہے، جب تک کہ وہ نکاح ثانی نہیں کرتی ہے۔

اس کے بعد پیراگراف ۲ میں دفعہ ۱۲۷، ۳ بی کی وضاحت کی گئی ہے، مدعی نے اپنے دفاع میں اس دفعہ کا سہارا لیا ہے، اس دفعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مطلقہ بیوی نے طلاق کے بعد شوہر سے کوئی ایسی رقم وصول کر لی جو طلاق کے وقت واجب الادا تھی، اور اس پرسنل لا یا قانون کے تحت تھی، جو فریقین کو قابل قبول تھا تو مجسٹریٹ دفعہ ۱۲۵ کے تحت جاری کی حکم کو منسوخ کر سکتا ہے۔

دفعہ ۱۲۵ اور ۱۲۷ میں مذہب کی گنجائش نہیں

ان دو دفعات کی تعریف اور وضاحت کے بعد فاضل جج نے یہ لکھا ہے کہ یہ دفعات نہایت واضح ہیں، اور ان میں شوہر اور بیوی کے مذہب کی گنجائش نہیں ہے، اور اس کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ دفعہ ۱۲۵ فوجداری قانون کی دفعہ ہے، اور مذہبوں سے متعلق احکام و حقوق کا تعلق دیوانی قانون یعنی سول لا سے ہے، ہم یہاں اس پیراگراف کی عبارت نقل کرتے ہیں، فاضل جج لکھتے ہیں،

"(۱) دفعہ ۱۲۵، لوگوں کے ایسے طبقہ سے متعلق ہے، جو اپنا خرچ چلانے کے لائق نہیں ایسے لوگوں کے بارہ میں یہ دفعہ، دادرسی کے سریع العمل، مختصر، جامع احکام نافذ کرتی ہے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ نظر انداز کیے ہوئے بیوی، بچوں یا والدین کا مذہب کیا ہے، ایک ایسے شخص کا ان لوگوں کو نظر انداز کر دینا جس کی آمدنی اچھی خاصی ہو کہ جس کے ذریعہ سے خرچ چلا سکتا ہو، اور یہ لوگ ایسی حالت میں ہوں کہ خود اپنا خرچ اٹھانے کے لائق نہ ہوں تو یہ ساری باتیں دفعہ ۱۲۵ کے موزوں یا مناسب ہونے کے لیے ایک معروضی کسوٹی ہیں، (ب) اس قسم کی دفعات فطری پر حفظ ما تقدم کے

طور پر ہوتی ہیں، یہ مذہب کی رکاوٹوں اور بندشوں کو دور کرنے والی ہوتی ہیں یہ درست ہے کہ یہ دفعات، فریقین کے پرسنل لا کو ہٹا کر اپنی جگہ نہیں بناتی ہیں لیکن با ایں ہمہ، فریقین کا مذہب اور پرسنل لا دونوں ان دفعات پر یہ رد عمل ظاہر نہیں کر سکتے کہ ایسی دفعات کا استعمال اور موزونیت کس حد تک درست ہے، الا یہ کہ دستور کے اندر، ان دفعات کی موزونیت اور استعمال کو مذہبی طبقوں یا فرقوں کے محدود قانون تک موقوف رکھا جائے۔

(ج) دفعہ ۱۲۵ کے تحت جو یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ ایسے قریبی رشتہ داروں کے خرچ کا انتظام کیا جائے جو نادار و مفلس ہیں تو اس کی بنیاد، افراد کی وہ ذمہ داری ہے، جس کا تعلق معاشرہ سے ہے، تاکہ آوارگی اور مفلسی و محرومی کا سد باب کیا جائے۔

(د) یہ قانون کا اخلاقی فرمان ہے، اور اخلاقیات کو مذہب کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا جا سکتا ہے۔

(ھ)... دفعہ ۱۲۵، واقعتہً کردار کے لحاظ سے سیکولر ہے۔" (پیراگراف (۱))

مذہب اور اخلاق کو خلط ملط نہیں کیا جا سکتا	یہ پیراگراف اپنے اسلوب بیان اور فیصلہ کی حمیت کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ فاضل جج نے اب تک حدیث اور فقہ سے متعلق موضوعات

کو سچ کیا تھا لیکن دفعہ ۱۲۵ کی تشریح کرتے وقت وہ مسلمان مطلقہ عورت کے معاملہ کو مسلم پرسنل لا میں شامل کرنے پر ہی تیار نہیں ہیں، اور ایک مسلمان مطلقہ کو محض ایک مفلس و قلاش مطلقہ کی شکل دیتے ہیں، اور صرف افلاس و ناداری کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر وہ یہ صاف کہتے ہیں کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ نظر انداز کی ہوئی بیوی کا مذہب کیا ہے۔" اور شریعت کے اس صریح اور مسلم اصول کو کہ عدت کی مدت کے بعد شوہر پر نان نفقہ کی ذمہ داری نہیں ہے، اس کو رد کرتے ہوئے، وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اصول" مذہب کی ایک رکاوٹ

Marfat.com

اور بندش ہے"۔ اور اس طرح وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام کے بعض اصول ظالمانہ ہیں کہ جن سے ایک فریق کے حق میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ دفعات پرسنل لا کی جگہ نہیں لے سکتی ہیں لیکن ان کے خیال کے مطابق مذہب اور پرسنل لا، ان دفعات کی صلاحیت اور کارکردگی اور اثرات پر اپنا ردعمل بھی ظاہر نہیں کر سکتے۔ اور مفلسی و آوارگی کے سدباب کی تدبیر صرف معاشرہ کے ذریعہ ہو سکتی ہے، پرسنل لا اور مذہب اس سلسلہ میں غیر موثر ہیں، فاضل جج اپنے اس فرمان کو اخلاقی فرمان سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ یہ فیصلہ بھی کرتے ہیں کہ مذہب اور اخلاقیات دو علاحدہ اکائیاں ہیں، ان دونوں کا اجتماع ممکن نہیں ہو سکتا ورنہ اجتماع ضدین کی صورتحال پیش آجائے گی، اور اس پیراگراف کا آخری جملہ یہ ہے، کہ دفعہ ۱۲۵ اپنی اصل اور اثر کے لحاظ سے سیکولر ہے، اور یہی مطلوب ہے۔

ہم آئندہ صفحات میں یہ یاد دلانے کی کوشش کریں گے کہ شریعت نے مفلس اور قلاش لوگوں کے لیے کچھ ضابطے مقرر کیے ہیں، ان مفلسوں میں خواہ بیوی ہو، یا بچے ہوں یا والدین ہوں یا کوئی اور ہو، اس لیے محض مسلمان مطلقہ کو افلاس کی وجہ سے تبدیلیٔ قانون کے عمل کا مرتکب نہیں بنایا جا سکتا، شریعت نے ایسے قانون وضع کیے ہیں جن سے افلاس اور ناداری کا سدباب ہوتا ہے، اور فاضل جج کی رائے کے برخلاف اس راہ میں شریعت نہ رکاوٹ ڈالتی ہے، اور نہ بندش لگاتی ہے،

رسول اللہ کی بعثت کا مقصد اخلاق کی تکمیل ہے،

یہاں ہم فاضل جج کی اس رائے کہ "مذہب اور اخلاقیات کو خلط ملط نہیں کیا جا سکتا"۔ اس کے بارہ میں صرف اتنا عرض کریں گے کہ اسلام، درحقیقت اخلاق کا ہی دوسرا نام ہے، رسول اللہ کے بارہ میں قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں کہ

Marfat.com

انک لعلی خلق عظیم — بیشک آپ عظیم اخلاق پر ہیں۔

رسول اللہؐ کا یہی اسوۂ حسنہ، پوری امت کے لیے لائق اتباع قرار دیا گیا۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ — تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں بہترین نمونہ ہے۔

اور خود رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری بعثت کا مقصد یہ ہے کہ میں اخلاق کے بلند مرتبوں اور عظمتوں کی تکمیل کر دوں۔

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق [۱] — میں تو اسی لیے مبعوث ہوا ہوں کہ اخلاق کی پاکیزگیوں کو پورا کر دوں

اسلام اور پیغمبر اسلام کی ان تعلیمات کے بعد مسلمانوں سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مذہب اور اخلاق دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

ہم یہاں اسلام اور اخلاق پر تفصیلی بحث نہیں کر سکتے لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فاضل جج کے اخلاقی فرمان، کے پس منظر میں مذہب اور اخلاق کی تفریق کا وہ نظریہ ہے جو یورپ سے درآمد کیا جاتا ہے۔ ہمارے اس تصور کی تصدیق ہالسبریز لاز آف انگلینڈ کے اس اعتراف سے ہوتی ہے کہ:

"مغربی دنیا کا قانون، اخلاقی قانون کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا، اور نہ ہی نکاح کے دیوانی نتائج، مذہبی نتائج کے مطابق ہوتے ہیں۔" [۲]

ہم کو اس بحث میں بھی نہیں پڑنا ہے کہ دفعہ ۱۲۵ کا کردار سیکولر ہے یا نہیں ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ دفعہ ۱۲۵ سیکولر ہو، مگر ہم شریعت اور سیکولرزم میں اس بنیاد پر امتیاز کرنے کا

---

[۱] جمع الفوائد، ابن اثیر جزری ج ۲ ص ۱۲۹ [۲] ہالسبریز لاز آف انگلینڈ، لارڈ سیان ڈس ج ۲۵ ص ۳۴ بحوالہ مجموعہ قوانین اسلام ص ۳۰۵

Marfat.com

حق ضرور رکھتے ہیں، جو دستور ہند میں ہمارے لیے مہیا کی گئی ہے۔

مفلس مطلقہ کے نفقہ تا نکاح ثانی پر کچھ عرض کرنے سے پہلے ہم فاضل جج کے بیان کے اور حصوں پر نظر ڈالتے ہیں، کیونکہ ان کا تعلق بھی دراصل پیراگراف ۷ کے مضمون سے ہے

پیراگراف ۸ میں یہ بتایا گیا ہے کہ سرجیمز فٹنرجیمز اسٹیفن، جسٹس سبا راؤ اور جسٹس سیکری نے دفعہ ۱۲۵ کی تحسین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ دفعہ سماجی خدمت کی غرض سے ہے اور مفلسی و ناداری کو روکنے کے لیے ایک ضابطہ ہے، اور یہ دفعہ سکشن ۴۸۸ میں شامل ہے اور سکشن ۴۸۸ تمام مذاہب کے لیے قابل قبول ہے، اور یہ فریقین کے پرسنل لا سے تعلق نہیں رکھتی ہے۔

پیراگراف ۹ میں سکشن ۴۸۸ کی وہ شق نقل کی گئی جس کے تحت بیوی کے نان نفقہ کا حق اس کی نکاحی حالت کے جاری رہنے پر موقوف ہے۔ ....

.... لہذا یہ حق اس وقت ختم ہو جائے گا، جب مسلم پرسنل لا کے تحت شوہر اس کو طلاق دے دیگا، فاضل جج کے الفاظ میں یہ شق سخت تھی اس لیے اس کی سختی کو دور کرنے کے لیے ایک مشترکہ کمیٹی نے یہ اصول وضع کیا کہ مطلقہ عورت کو اس وقت تک نان نفقہ ملتا رہے جب تک کہ وہ نکاح ثانی نہ کرلے یہی۔ دفعہ ۱۲۵ کی وضاحت (ب) ہے اور جب سکشن ۴۸۸ میں دفعہ ۱۲۵ کی اس وضاحت کو شامل کرلیا گیا تو بقول فاضل جج!

دفعہ ۱۲۵ کے حقوق پرسنل لا سے متاثر نہیں ہوتے۔	"لفظ بیوی کی تعریف میں مطلقہ بیوی کے مفہوم کو شامل کرنے کے بعد اس دفعہ کا وزن پہلے سے زیادہ بڑھ گیا"

بیوی کا مطلب بیوی ہوتا ہے، اس سے قطع نظر کہ دونوں کا مذہب کیا ہے، لہذا

Marfat.com

ایک مسلمان مطلقہ عورت، جب تک نکاح ثانی نہیں کر لیتی دفعہ ۱۲۵ کی غایت کے مطابق بیوی ہے اور اس دفعہ کے تحت جو قانونی حق اس کو حاصل ہے وہ پرسنل لا کی دفعات سے متاثر نہیں ہوتا۔" (پیراگراف ۹)

اس اقتباس میں الفاظ کا زور اس بات پر ہے کہ بیوی کا محض بیوی ہونا قابل بحث ہے، وہ کس مذہب سے تعلق رکھتی ہے، چونکہ اس سوال سے سروکار نہیں ہے، اس لیے اس کے پرسنل لا سے بھی تعلق نہیں رہ جاتا لیکن اگلے اقتباس میں جج صاحب دفعہ ۱۲۵ کے ذریعہ مصدقہ حق کی خوبی بیان کرتے ہوئے مذہب کا ذکر کرتے نظر آتے ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں

"یہ بات کہ، دفعہ ۱۲۵ کے ذریعہ مصدقہ حق کو، فریقین کے پرسنل لا کا لحاظ کیے بغیر بروئے کار لایا جاسکے گا، یہ ہمت افزا ہے خصوصاً مسلمانوں کے تعلق سے۔" (پیراگراف ۱۰)

اس بات کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ سکشن ۴۸۸ میں دفعہ ۱۲۵ بی کے مذکورہ بالا فقرہ کو شامل کرنا ایک ہمت افزا عمل ہے، کیونکہ اس میں خاص طور سے مسلم پرسنل لا کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے، پیراگراف ۹ اور ۱۰ میں دفعہ ۱۲۵ کی وضاحت کرتے ہوئے فاضل جج نے یہ بھی لکھا کہ

"اس سے صریحاً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر دفعہ ۱۲۵ اور پرسنل لا کے درمیان کوئی نزاع ہے تو دفعہ ۱۲۵، پرسنل لا کو رد کر دے گی۔"

اس کے بعد پیراگراف ۱۱، ۱۲ میں انھوں نے اس بحث کی بنیاد قائم کی ہے کہ دفعہ ۱۲۵، اگر مسلم پرسنل لا کو رد کرتی ہے تو ایسی صورت میں جب کہ ان دونوں میں کوئی نزاع ہو، افضل اور لائق ترجیح کون ہوگا، وہ لکھتے ہیں،

"ہم اس مسئلہ کے فیصلہ میں مصروف ہوتے ہیں کہ کوڈ اور مسلم پرسنل لا کے

Marfat.com

اس متنازعہ مفروضہ میں قضل کون ہے، جس میں شوہر پر یہ ذمہ داری عائد کی جاتی ہے کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کے نان نفقہ کو برداشت کرے اس میں دفعہ ۱۲۵ اور مسلم پرسنل لا میں کوئی تصادم ہے یا نہیں"۔

مدعی کے دلائل ناکافی ہیں

پیراگراف ۱۳ میں شوہر کی جانب پیش کیے گئے دلائل کا ذکر ہے، مدعی کی جانب سے سر ڈنشا فریدوں جی ملا کی کتاب محمڈن لا (ص ۳۰۱) بدرالدین طیب جی کی کتاب مسلم لا (ص ۶۹ - ۶۸ - ۲۰) اور ڈاکٹر پارس دیوان کی کتاب مسلم لا ان ماڈرن انڈیا (ص ۱۳۰) سے تین اقتباسات پیش کیے گئے، جن کے مطابق، مسلم پرسنل لا کے تحت عدت کی مدت کے بعد شوہر پر نان نفقہ واجب نہیں رہتا، مگر فاضل جج نے پیراگراف ۱۴ میں کہا کہ

"کتابوں کے یہ مذکورہ اقتباسات، اس مسئلہ کو ثابت کرنے میں ناکافی ہیں کہ مسلم شوہر پر ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے کہ وہ اپنی ایسی مطلقہ بیوی کے نان نفقہ کو برداشت کرے جو خود اپنا خرچ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے"؟

"مسلم پرسنل لا کے پورے خاکہ پر ایک نگاہ ڈالنا ضروری ہے، تاکہ مقدار اور مدت دونوں طرح سے شوہر کی اس ذمہ داری کی حدوں کی تعیین کی جاسکے جس سے وہ ایک مفلس، مطلقہ بیوی کے نان نفقہ کو برداشت کرے"۔ (پیراگراف ۱۴)

مہر کی بحث

اسی حصہ میں مہر کی بحث بھی شروع ہو جاتی ہے، چنانچہ، فاضل جج ملا کی محمڈن لا سے یہ اقتباس نقل کرتے ہیں۔

"مسلم لا کے تحت شوہر، بیوی کو مہر ادا کرنے کا پابند ہے، جو بیوی کے احترام کی علامت کے طور پر ہوتا ہے، یہ صحیح ہے کہ وہ کوئی بھی رقم جس کو وہ پسند کرتا ہے۔ اپنی بیوی کو بطور مہر ادا کر سکتا ہے، ایسی رقم ۱۰ درہم سے کم نہیں ہو سکتی یہ ۱۰ درہم

Marfat.com

تین یا چار روپیوں کے مساوی ہیں" (ملا، محمڈن لا۔ ص ۳۰۸) (پیراگراف ۱۴)،
اس نامکمل اقتباس کو نقل کرنے کے مابعد فاضل جج یہ لکھتے ہیں کہ

"لیکن ایک شخص کو زندگی کی حقیقتوں پر بھی نگاہ رکھنی چاہیے، مہر تو بیوی کے احترام کی علامت کے طور پر ہوتا ہے، وہ رقم جو مہر کے واسطہ سے ہوتی ہے، عام طور پر بیوی کی ان ضروریات کے لحاظ سے ہوتی ہے، جو شادی کے وقت اور شادی کے بعد پیش آتی ہیں"۔

مہر بیوی کے احترام کی علامت کے طور پر ہوتا ہے، یا وہ عورت سے ایک خاص فائدہ حاصل کرنے کا عوض ہے، اس پر آئندہ صفحات میں روشنی ڈالی جائے گی، مہر معجل اور مہر موجل کی وضاحت کے بعد فاضل جج کی اس رائے کے صحیح ہونے یا نہ صحیح ہونے کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ عام طور پر مہر بیوی کی ان ضرورتوں کے پیش نظر ہوتا ہے، جو شادی کے وقت اور شادی کے بعد پیش آتی ہیں

لیکن اس بحث سے پہلے ہم فاضل جج کے بیان کے پیراگراف ۱۴ کو نقل کرتے ہیں جس میں انھوں نے ملا، طیب جی اور پارس دیوان کے اقتباسات کے بارہ میں یہ لکھا ہے کہ:۔

"ہم اس کو نہ صرف غیر درست بلکہ غیر منصفانہ عمل سمجھتے ہیں کہ مذکورہ بالا تینوں اقتباسات کے مفہوم میں اس مطلقہ بیوی کو شامل سمجھا جائے جو اپنے نفقہ کو برداشت کرنے کی اہل نہیں ہے، ہماری رائے یہ ہے کہ مذکورہ اقتباسات کو معاملات کے ایسے درجات تک شامل رکھنا چاہیے، جہاں بے راہ روی، ناداری اور مفلسی اور مطلقہ بیوی کی محتاجگی کے امکانات نہ ہوں"۔

ہم یہاں اس عام اور اہم سوال پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کرتے ہیں کہ کیا ایک شوہر تمام حالات میں اپنی بیوی کے نفقہ کا ذمہ دار ہے یا نہیں جس میں اس کی مطلقہ بیوی بھی شامل ہے

Marfat.com

شامل ہو یہ دفعہ ۱۲۵ کا اصل معاملہ نہیں ہے، یہ دفعہ تو ایسے معاملات سے سروکار رکھتی ہے جن میں ایک ایسا شخص نفقہ دینے سے انکار کرتا ہے، یا اس سے صرف نظر کرتا ہو جسکی آمدنی اچھی خاصی ہو اور جن لوگوں کے نفقہ کا وہ ذمہ دار ہے، ان میں اس کی بیوی بھی ہو، جو اپنا خرچ خود برداشت نہیں کر سکتی، چنانچہ مسلم پرسنل لا، جو مطلقہ بیوی کے نفقہ کو برداشت کرنے کی شوہر کی ذمہ داری کو عدت تک محدود رکھتا ہے، وہ اس صورت حال پر غور نہیں کرتا ہو، بصورت دیگر اس صورت حال کو جائز بھی قرار نہیں دیتا جو دفعہ ۱۲۵ کے پیش نظر ہو لہٰذا یہ برداشت کرنا، درست نہیں ہوگا، کہ مسلمان شوہر اپنے پرسنل لا کے مطابق اپنی اس مطلقہ بیوی کے نفقہ کو عدت کے بعد ادا نہیں کرے گا، جو خود اپنا خرچ برداشت نہیں کر سکتی۔ مدعی کی یہ دلیل کہ مسلم پرسنل لا کے بموجب، مطلقہ بیوی کے نفقہ کی ذمہ داری عدت تک محدود ہے، اس لیے رد کی جاتی ہے، کہ وہ مطلقہ بیوی اپنا خرچ برداشت کرنے کی اہل نہیں ہے۔

تو صورت حال یوں ہے کہ اگر مطلقہ بیوی، اپنے نفقہ کی اہل ہو تو شوہر کی یہ ذمہ داری عدت تک محدود ہے اور اگر مطلقہ بیوی اپنا نفقہ برداشت نہیں کر سکتی ہو تو اس کو دفعہ ۱۲۵ سے مدد لینے کا حق ہے،

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ دفعہ ۱۲۵ اور مسلم پرسنل لا کی دفعات کے درمیان اس مسئلہ پر نزاع نہیں ہے کہ شوہر اپنی مطلقہ بیوی کے نفقہ کی فراہمی کا ذمہ دار ہے، جب کہ وہ مطلقہ بیوی اپنا خود برداشت نہیں کر سکتی۔" (پیراگراف ۱۴)

اس پیراگراف میں فاضل جج نے عدت کے بعد کے نفقہ پر اظہار خیال کیا ہے، انھوں نے واضح طور پر شریعت کے قوانین کو اس لیے ناقابل عمل قرار دیا ہے، کہ وہ عدت کے بعد مفلس

مطلقہ کے نفقہ کو حل نہیں کرتے ہیں، فاضل جج نے بغیر کسی دلیل کے یہ رائے بھی ظاہر کی ہے، کہ شریعت کے اس قانون کو کہ عدت کے بعد نفقہ نہیں ہے، مخصوص حالات تک محدود رکھنا چاہئے، یعنی اگر مطلقہ بیوی مفلس نہیں ہے، تب یہ نفقہ بھی واجب نہیں ہے، لیکن یہ فاضل جج کی اپنی ایک رائے ہے، اور اپنی رائے کو وہ دلیل بناتے ہوئے یہ بھی فیصلہ کرتے ہیں کہ اس دلیل کی رو سے دفعہ ۱۲۵ اور شریعت کے قانون میں کوئی تصادم نہیں ہے،

عدت کے بعد مفلس مطلقہ کا مسئلہ

لیکن کیا حقیقت یہی ہے، اور کیا شریعت نے مفلس مطلقہ کے لیے زندگی گزارنے کے دوسرے طریقے بند کر رکھے ہیں، اور کیا، فاضل جج کی ایک رائے سے صدیوں سے جاری ایک قانون میں ترمیم کی جاسکتی ہے، ان سوالات کا جواب ضروری ہے۔

اوپر یہ بات گزر چکی ہے کہ نفقہ کیا ہے، وہ کیوں واجب ہوتا ہے، عدت کا نفقہ کیا ہے، اور عدت کی مصلحت کیا ہے، اور نفقہ عدت تک ہی شوہر پر کیوں واجب ہوتا ہے، اب یہ مسئلہ رہ جاتا ہے، کہ مطلقہ اگر مفلس ہے تو پھر اس کا نفقہ کون برداشت کریگا، یہ ثابت ہو چکا کہ بیوی کا نفقہ زوجیت کے حق کی بنیاد پر ہوتا ہے، اس زوجیت کے حق میں حق احتباس بھی شامل ہے، طلاق کا عمل، اس حق کو ساقط کر دیتا ہے،

ولیست عقدۃ النکاح بید الزوج بعد الطلاق[۵۷]	نکاح کی گرہ، شوہر کے ہاتھ میں طلاق کے بعد نہیں رہتی ہے،

لیکن استبراء رحم کے اہم مقصد کے پیش نظر، مطلقہ، نکاح ثانی سے باز رہتی ہے، اور ایک خاص مدت کا انتظار کرتی ہے، چونکہ اس کا تعلق شوہر کے ایک حق سے ہوتا ہے،

---

۵۷ احکام القرآن، جصاص ج ۱، ص ۴۰۴۔

Marfat.com

اس لیے وہ اس مدت میں نفقہ کی حقدار ہوتی ہے، یہ بھی اوپر گزر چکا ہے کہ اس عدت کے بعد وہ نکاح ثانی کے لیے آزاد و مختار ہو جاتی ہے، اور پہلے شوہر کے لیے ایک اجنبی اور عام عورت کی طرح ہو جاتی ہے، اس لیے اب شوہر پر نفقہ واجب کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، اور اس کی یہ ذمہ داری عدت کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔

حتی انقضت العدۃ فلا نفقہ لھا[1]	یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے تو اس بیوی کا نفقہ نہیں ہے۔

شوہر کے گھر کو چھوڑ دینے کے بعد وہ اپنے اسی گھر میں آنے کی حقدار ہے، جس میں شریعت نے اس کے لیے میراث کے اصول پر ایک حصہ کا حق دیا ہے، اس کے والدین اگر زندہ ہیں تو اس مفلس بیٹی کا نفقہ ان پر واجب ہے، شریعت نے واجب کرنے کے علاوہ اس نفقہ کی ذمہ داری کو سب سے افضل ترین اور عظیم ترین بھلائی سے تعبیر کیا ہے، رسول اللہ صلعم نے حضرت سراقہ رض بن مالک سے یہی بات ارشاد فرمائی تھی کہ میں تم کو افضل و اعظم بھلائی کی بات بتاتا ہوں، اور وہ بھلائی اور احسان کی بات یہ ہے کہ تم اپنی اس بیٹی پر خرچ کرو جو طلاق یا شوہر کی وفات کی وجہ سے تمہارے پاس آگئی ہے، اور تمہارے علاوہ اس کے لیے کوئی کمانے والا نہیں ہے۔

الا ادلک علی اعظم الصدقۃ	کیا میں تم کو سب سے بڑی بھلائی کی بات۔
ابنتک مردودۃ الیک	بتلاؤں تمہاری وہ بیٹی جو تمہاری جانب
لیس لھا کاسب غیرک[2]	لوٹا دی گئی ہے اور تمہارے علاوہ
	اسکے لیے کوئی کمانے والا نہیں ہے۔

---

[1] الفتاوی العالمگیریہ ص ۵۵۰ [2] مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۵، ابن ماجہ ص ۲۶۹، ابن ماجہ میں بجائے اعظم کے افضل الصدقۃ کا لفظ ہے، ابن ماجہ کے حاشیہ انجاح میں لفظ مردودۃ کی تشریح میں یہ عبارت ہے ای بسبب طلاق زوجہا او وفاتہ یعنی شوہر کے طلاق دینے یا وفات پا جانے کی وجہ سے۔

صحابہ کرام کا عمل اسی پر تھا، چنانچہ حضرت زبیرؓ کے بارہ میں ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا بیٹی کے لیے انھوں نے کچھ مکانات وقف کر دیئے تھے،

وتصدق الزبیر بدوره
وقال للمردودة من بناته
أن تسكن[1]

اور حضرت زبیر نے اپنے گھروں کو وقف کیا اور فرمایا کہ یہ ان کی ان بیٹوں کی رہائش کے لیے ہیں جو واپس کر دی گئی ہیں۔

والدین کے نہ ہونے کی صورت میں اگر اولاد ہے تو شریعت ان کو ماں کے نفقہ پر مجبور کرتی ہے۔

والام اذا كانت فقيرة فانه
يلزم الابن نفقتها وان كان
معسرا وهي غير زمنة[2]

اور ماں اگر مفلس ہے تو بیٹے پر اس کا نفقہ لازم ہے خواہ وہ بیٹا تنگدست ہی کیوں نہ ہو اور ماں اپاہج وغیرہ نہ ہو۔

والدین اگر مفلس ہیں تو اولاد پر نفقہ واجب ہے،

وتجب النفقة لابويه لو فقرا[3]

والدین اگر مفلس ہیں تو نفقہ واجب ہے۔

والدین اگر مفلس ہیں اور بیٹا ان دونوں میں سے صرف ایک کا نفقہ ادا کر سکتا ہے تو ماں اس نفقہ کی زیادہ حقدار ہوگی۔

واذا كان الابن يقدر على نفقة احد
ابويه ولا يقدر عليهما جميعا فالام احق[4]

اور اگر والدین میں سے ایک کے نفقہ پر وہ قادر ہے تو ماں زیادہ حقدار ہوگی۔

نفقہ میں کھانے پینے، لباس اور رہائش کی ضرورت کے علاوہ خادم تک کی سہولت فراہم کرنا بیٹے پر واجب ہے،

---

[1] ارشاد الساری ج ۵ ص ۱۳۰، ارشاد الساری میں المردودۃ یعنی المطلقۃ ہے۔ [2] الفتاوی العالمگیریہ ج ۱ ص ۵۶۵
[3] کنز الدقائق ج ۲ ص ۶۰۔ [4] الفتاوی العالمگیریہ ج ۱ ص ۵۶۵۔

Marfat.com

یجب للاب والام علی الولد من طعام وشراب وکسوۃ وسکنی حتی الخادم۔[1]

بیٹے پر ماں باپ کے لیے کھانا، پینا، لباس اور مکان یہاں تک کہ خادم واجب ہے۔

ماں کا لفظ بھی بغیر کسی قید کے ہے، مطلقہ ماں، یا غیر مطلقہ ماں، سگی ماں یا سوتیلی ماں کی تفریق نہیں ہے۔[2]

اگر ایک جانب ماں کے نفقہ کا مسئلہ ہو اور دوسری جانب بہو کے نفقہ کا مسئلہ ہو تو ایسے شخص کو ماں کے نفقہ کے لیے مجبور کیا جائے گا۔

وفی الخلاصہ۔ یجبر الاب علی نفقۃ زوج ابیہ ولا یجبر الاب علی نفقۃ زوجۃ ابنہ۔[3]

والدین اگر غیر مسلم ہوں تو بھی بیٹے پر ان کا نفقہ واجب ہوگا۔

ولا تجب النفقۃ مع اختلاف الدین الا للزوجۃ والابوین۔[4]

ایک مفلس عورت کا بیٹا مالدار ہو اور والدین بھی مالدار ہوں تو نفقہ بیٹے پر واجب ہوگا، والدین پر نہیں، کیونکہ ماں باپ کے نفقہ میں بیٹے کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔[5] بیٹا خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، اگر وہ کماتا ہے تو مطلقہ مفلس ماں کو یہ حق ہے کہ وہ اس کی کمائی سے اپنا نفقہ پورا کرے۔

فان کان للصغیر ام بائنۃ عن زوجہا واحتاجت الی النفقۃ کان لہا ان تاکل من کسب ولدہا صغیراً کان الولد او کبیراً۔[6]

اگر چھوٹے بچے کی ماں کو طلاق ہوگئی اور وہ نفقہ کی ضرورت مند ہے تو اس ماں کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے بیٹے کی کمائی سے کھائے بیٹا خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

---

[1] بحرالرائق ج ۴ ص ۲۰۰ [2] ایضاً [3] الفتاوی عالمگیریہ ج ۱ ص ۵۶۰ [4] ایضاً [5] فتاوی قاضی خان

اگر والدین مفلس ہیں حالانکہ کمانے پر قادر ہیں تو بھی ان کا نفقہ اولاد برداشت کرے گی اور اس کے لیے مجبور کی جائے گی، اولاد میں بیٹے اور بیٹی دونوں شامل ہیں، دونوں مساوی لحاظ سے نفقہ دیں گے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ میراث کے حصوں کی طرح اس نفقہ میں مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہوگا۔[۱]

ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی محتاج ہے، اور اولاد بھی مفلس ہے تو بھی اولاد پر یہ واجب ہے، کہ وہ ان معذور والدین کو اپنے ساتھ رکھے اور آدھے پیٹ پر گزارہ کرے۔[۲]

مطلقہ ماں اگر مفلس ہے تو اس کا نفقہ اس کی تمام اولاد ذی معاش و صاحب جائداد پر مساوی واجب ہے۔[۳]

والدین ہی نہیں، دادا دادی اور نانا نانی اگر مفلس ہیں تو ان کا نفقہ بھی بیٹے پوتے اور نواسے پر واجب ہوتا ہے۔[۴]

اور اگر اولاد نہ ہو تو پھر نفقہ کی ذمہ داری بھائی اور بہن پر ہے، یہ بھی نہ ہوں تو چچا اور ماموں پر یہ ذمہ داری واجب ہوتی ہے، یہ بھی نہ ہوں تو پھوپھی اور خالہ پر واجب ہے، یہ بھی نہ ہوں تو بھتیجوں اور بھانجوں پر نفقہ واجب ہے، اور اس کے لیے ان کو مجبور کیا جائے گا۔

وکذلک یجبر علی نفقۃ کل	اسی طرح ایک شخص کو اس کے لیے
ذی رحم محرم منہ الصغار	ہر ذی رحم محرم کے نفقہ پر مجبور کیا
والنساء واھل الزمانۃ من	جائے گا جو مفلس ہوں جیسے چھوٹے
الرجال اذا کانوا ذوی حاجۃ	بچے، عورتیں، یا اپاہج مرد

۱؎ مبسوط ج ۵ ص ۲۲۲ ۲؎ ایضاً ۳؎ فتاویٰ ہندیہ ج ۲ ص ۵۴۸ ۴؎ بحر الرائق ج ۴ ص ۲۰۰

۵؎ مبسوط ج ۵ ص ۲۲۲

Marfat.com

ان تمام قریبی اعزا پر یہ ذمہ داری اس لیے واجب کی گئی ہے کہ ذی رحم محرم ہونے کے لحاظ سے یہ وراثت کے مستحق ہیں۔

وعلی الوارث مثل ذالك — اور وارث پر اس جیسا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مثل ذالك سے حضرت عمرؓ و حضرت زیدؓ نے نفقہ مراد لیا ہے[۱]

فقہائے حنفیہ وارثین سے ذی رحم محرم مراد لیتے ہیں[۲]

وراثت کے حق کے علاوہ اعزا رشتہ داری میں ایک سبب صلہ رحمی ہے، جس کا تعلق براہ راست خدائے تعالےٰ سے ہے۔

ثلاث معلقات بالعرش	تین چیزیں عرش سے تعلق رکھتی ہیں،
النعمة والامانة والرحم	نعمت، امانت اور صلہ رحمی اور
.... ویقول الرحم قطعت ولم اوصل[۳]	رحم کہتا ہے کہ میں توڑ دیا گیا تو مجھے جوڑا نہیں گیا۔

یہ ایک اصول ہے کہ خرچ کرنے والا اگر آسانی سے خرچ کر سکتا ہے اور اس کا مستحق واقعی ضرورت مند ہے، تو پھر خرچ نہ کرنا قطع رحمی ہے[۴] ذی رحم محرم کی قید اسی لیے ہے، کیونکہ دور کی رشتہ داریاں میں رحم کا تعلق براہ راست نہیں ہوتا ہے[۵] صلہ رحمی کے اس اصول میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں، جس طرح مالدار مرد پر اپنے مفلس اعزا کا نفقہ واجب ہے اسی طرح مالدار عورت پر بھی یہ نفقہ واجب ہوتا ہے[۶]

نفقات کے ان درجوں کی بحث کافی طویل ہے، اوپر جو مثالیں پیش کی گئی ہیں، وہ صرف بنیادی ہیں، اور یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اسلام کا عائلی نظام اور معاشرہ میں اخلاقی

---

[۱] مبسوط ج ۵ ص ۲۲۴ [۲] ارشاد الساری شرح بخاری ج ۸ ص ۲۳۲ [۳،۴،۵،۶] ایضاً [۷] مبسوط ج ۵ ص ۲۲۴

Marfat.com

قدریں کس قدر وسیع اور باہمہ ہیں۔

ان تصریحات کے باوجود ایک سوال پھر بھی رہ جاتا ہے کہ بالفرض مفلس مطلقہ عورت کا کوئی عزیز بھی نہیں ہے، نہ قریب کا اور نہ دور کا، تو پھر اس کا نفقہ کون دے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں، معاشرہ کے ایسے مفلس اور نادار لوگوں کے لیے ایک مالیاتی شعبہ قائم ہے، اسلام کی پانچ بنیادی عبادات میں چوتھی عبادت زکوٰۃ ہے اور یہ نماز روزہ اور حج کی طرح مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے۔

فریضۃ من اللہ — اللہ کی جانب سے ایک فرض ہے۔

زکوٰۃ سے مالی امداد کی تقسیم میں کسی تحقیر یا ذلت کا تصور نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حق ہے جو معاشرہ کے متاثرہ طبقہ کے لیے مقرر ہوا ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین — صدقات، فقراء اور مساکین کے لیے ہیں

زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہے، لیکن جہاں اسلامی حکومتیں موجود نہیں ہیں وہاں کسی نہ کسی وجہ میں مسلم معاشرہ اس کا انتظام و انصرام کرتا ہے۔

یہاں ہم اس حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ بے شوہر والی عورت اور مفلس و نادار شخص کو زندگی کے میدان میں مدد دینے والے کا مرتبہ اور درجہ اس شخص کی طرح ہے، جو میدان جہاد میں برسرپیکار رہتا ہے یا راتوں کو مسلسل نماز اور دن کو مسلسل روزوں میں گزارتا ہے[1]

والساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ او القائم اللیل والصائم النھار — بے شوہر کی بیوی اور مسکین کی مدد کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ یا رات کو نماز پڑھنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح

---

[1] فتح الباری، ج ۹ ص ۲۰۸، شارح نے الارملہ کے معنی التی لا زوج لہا یعنی بے شوہر کی عورت دیے ہیں۔

Marfat.com

مگر جب ان حقیقتوں کو ایک سیکولر ملک کی سیکولر عدالت یہ کہتے ہوئے رد کرتی ہے کہ

"یہ زندگی کی طرح قانون کا بھی سب سے بڑا غیر دانشمندانہ نظریہ ہے"۔

تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکومت اور ریاست کے فرائض میں یہ بات شامل ہونی چاہئے کہ وہ ایسے بے سہارا، مظلوم، نادار اور مفلس افراد کی کفالت کا انتظام خود کرے، تاکہ پرسنل لاؤں میں مداخلت کے بغیر ایک انسانی مسئلہ بحسن و خوبی حل ہو سکے اور یہی سب سے زیادہ عادلانہ اور منصفانہ اور دانشمندانہ فیصلہ ثابت ہو۔

دو آیتوں سے استدلال | مفلس مطلقہ عورت کے نفقہ کے سلسلہ میں فاضل جج نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل دو آیتیں بھی ثبوت میں پیش کی ہیں۔

وللمطلقت متاع بالمعروف	اور مطلقہ عورتوں کے لیے کچھ سامان ہے
حقا على المتقين كذلك يبين الله	اچھے طریقہ سے، یہ حق ہے متقیوں پر۔
لكم الآيات لعلكم تعقلون	اسی طرح اللہ تمہارے لیے نشانیوں
(بقرہ ۲-۲۴۲-۲۴۱)	کو بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

اور پیراگراف ۱۵ سے ۲۲ تک میں ان آیات کے مختلف ترجمے بھی دیئے ہیں، ان میں عبد اللہ یوسف علی اور مارماڈیوک پکتھال کے علاوہ ظفر اللہ خان، خادم رحمانی نوری اور آرتھر جے، آربری کے ترجمے بھی ہیں، یہاں اس سے بحث نہیں کہ ظفر اللہ اور آربری کے عقائد کیا ہیں، اور یہ خادم رحمانی کس پایہ کے ہیں، جہاں تک ترجموں کا تعلق ہے تو قدرے اختلاف کے باوجود درست ہیں،

فاضل جج نے خاص طور سے عبد اللہ یوسف علی کے ترجمہ سے مدد لی ہے، جنھوں نے آیت مذکورہ میں متاع کا ترجمہ Maintenance (نفقہ) سے کیا ہے، دوسرے

Marfat.com

ترجمہ نگاروں نے اس کے بجائے دوسرے الفاظ سے ترجمہ کیا ہے۔ لیکن خود عبداللہ یوسف علی نے اس آیت سے پہلے آیت نمبر ۲۳۶ میں متعوہن (ان کو متاع دو) کا ترجمہ Bestow on Them, (A suitable gift) سے کیا ہے، اور بعینہ یہی لفظ متاعاً بالمعروف کا ترجمہ اگلی آیت میں (A gift of a reasonable amount) سے کیا ہے۔ ایک ہی لفظ کے دو ترجموں میں سے کسی ایک کے معنی تطعیت سے مراد لینا اور اس کو دلیل بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے، اور پھر اگر متاع کے معنی (Maintenance) ہی مراد لیے جائیں تو بھی آیتوں کی وہ تفسیر، عبداللہ یوسف علی کے حوالہ سے کیسے کی جا سکتی ہے، جو فاضل جج کے مد نظر ہے، عبداللہ یوسف علی نے ان آیتوں کے ذیل میں کوئی ایسی تصریح بھی نہیں کی ہے۔ لیکن فاضل جج نے ترجموں کی مدد سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ مستند مفسرین و محدثین اور فقیہوں اور مفتیوں نے اسلام کی پوری تاریخ میں نہیں اخذ کیا۔ فاضل جج لکھتے ہیں۔

"مذکورہ آیات سے اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ قرآن مسلمان شوہر پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے، کہ وہ (بے قید) اپنی مطلقہ بیوی کے لیے نفقہ فراہم کرے، مخالفانہ دلیل، اسلام کی تعلیمات کے ساتھ انصاف نہیں کرتی ہے۔"

آیتوں کا اصل مطلب و منشا ہم یہاں مختصر طور پر یہ عرض کریں گے کہ مذکورہ بالا آیتوں کی تفسیر میں علمائے امت کا مسلک اور منہج کیا رہا ہے۔

سورہ بقرہ میں آیت وان عزموا الطلاق. آیت نمبر ۲۲۷ سے طلاق کے احکام کا ذکر شروع ہوتا ہے، اور یہ سلسلہ مذکورہ بالا آیتوں وللمطلقت ..... تعقلون (آیت نمبر ۲۴۲)۔ پر ختم ہو جاتا ہے۔ ان آیتوں میں طلاق اور مطلقہ کی مختلف صورتوں کے مختلف احکام بیان ہوئے ہیں۔ یہ احکام چار قسم کی صورتوں سے خاص طور پر متعلق ہیں، وہ چار صورتیں یہ ہیں، (۱) مطلقہ عورت

عورت کا مہر مقرر تھا، اور خلوت صحیحہ بھی ہوئی، (۲) مہر نہیں مقرر ہوا تھا، مگر خلوت صحیحہ ہوئی، (۳) مہر مقرر تھا، مگر خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اور (۴) نہ مہر مقرر ہوا، اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی، ان چاروں مختلف صورتوں میں مہر اور عدت کے احکام بھی مختلف ہیں[1] ان کے علاوہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت کا حکم بھی ان احکام کے ساتھ شامل ہے، نفقہ اور رضاعت کے احکام بھی ہیں، اور آخر میں مذکورہ بالا آیت ہے، جس میں عام طور سے یہ بات کہی گئی ہے کہ "مطلقہ عورتوں کے لیے متاع ہے، معروف طریقہ پر" یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مہر اور نفقہ اور عدت کے احکام پہلے بیان ہو چکے تو پھر یہ نیا حکم کیوں ہے؟ تو سب سے پہلے لفظ متاع کی تفسیر ضروری ہے کہ متاع کیا ہے، امام جصاص لکھتے ہیں کہ متاع ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے فائدہ حاصل ہو،

المتاع اسم یقع علی جمیع ما ینتفع بہ[2]	متاع ہر اس چیز کا نام ہے جس سے فائدہ حاصل کیا جائے۔

اس لغوی تشریح کے بعد وہ متاع کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں، ایک تو یہ کہ (۱) مہر مقرر ہوا اور خلوت صحیحہ بھی ہوئی تو ایسی عورت کو جو حق متاع حاصل ہے، وہ عدت کا نفقہ ہے، (۲) اگر مطلقہ کا مہر مقرر نہیں ہوا، اور خلوت صحیحہ ہو گئی تو مال متاع سے مراد مہر مثل ہے، (۳) اور اگر مطلقہ ایسی ہے کہ مہر مقرر نہیں ہوا، اور خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تو مال متاع کو نصف مہر مثل کی شکل میں دیا جائے گا، اور اگر مطلقہ کا مہر مقرر نہیں اور خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی تو اس کو جو متعہ ملے گا وہی متاع ہے[3]

---

[1] آخر الذکر دونوں صورتوں میں عدت نہیں ہے، اس لیے عدت کا نفقہ بھی نہیں ہے۔

[2] احکام القرآن جصاص ج ۱ ص ۴۳۲، متاع کو متعہ بھی کہا جاتا ہے، [3] ایضاً

Marfat.com

اس تفصیل کی تائید، روح المعانی کے اس جملہ سے بھی ہوتی ہے کہ متاع، واجب ہے یا مستحب ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ عدت کا نفقہ ہے۔

المتعة واجبة أو مستحبة و	متعہ (متاع) واجب ہے یا مستحب ہے
قيل نفقة العدة[1]	اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عدت کا نفقہ ہے

ابن کثیر نے جو متاع کی عام تعریف کی ہے، اس میں مذکورہ بالا چاروں قسمیں شامل ہو جاتی ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ حق زوجیت کے ختم ہو جانے کے عوض میں، شوہر کی جانب سے کچھ مال کا دیا جانا متاع ہے۔

وهو تعويضها عما فاتها الشيئ تعطاه من زوجها بحسب حاله[2]	اور یہ متاع ہر ایک ایسی چیز ہے جو فوت شدہ حق کے بدل میں ہے، یہ عورت کو شوہر کی جانب سے اس کی حالت کے مطابق دی جاتی ہے

متاع کی مقدار | یہ مال متاع کتنا ہو، اور کیا ہو، اس کے بارہ میں مفسرین و فقہا کے مختلف اقوال ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ کم از کم اتنا ہو کہ اس کو مال متاع کہہ سکیں[3]، امام مالک کے نزدیک متاع کی کمی یا زیادتی کی کوئی حد متعین نہیں ہے[4]، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار امام شریح نے ۵۰۰ درہم اور حضرت حسنؓ نے دس ہزار درہم تک متاع بھی دیے ایک قول کے مطابق سنت سے یہ ثابت ہے کہ متاع ۳۰ درہم سے کم نہ ہو اور نصف مہر سے زیادہ نہ ہو[5]، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے، کہ بہترین متاع تو یہ ہے

---

[1] روح المعانی، آلوسی ج ۲ ص ۳۰۸ - ۱۳۲ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۶ [3] احکام القرآن جصاص ج ۱ ص ۴۳۲ [4] احکام القرآن قرطبی ج ۳ ص ۲۰۲ [5] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۶۔
[6] ہدایہ ج ۲ ص ۳۰۳۔

Marfat.com

کہ مطلقہ کو خادم دیا جائے، یا پھر کچھ چاندی (رقم)، یا پھر کپڑے، شوہر اگر تنگدست ہے تو پھر تین کپڑے ہی کافی ہیں۔[1] ایک روایت کے مطابق رسول اللہؐ نے متاع میں تین کپڑے دیئے تھے، حضرت عائشہؓ نے ان کپڑوں کی تفصیل بیان کی کہ وہ کرتا، اوڑھنی، اور چادر کی قسم کے تھے،[2] فقہاء نے کم سے کم متاع کی تعیین میں اسی قول کو اختیار[3] ہے۔ لیکن سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مرد کی حالت کے مطابق مال متاع کو متعین کیا جائے گا جو نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہوگا اور ۵ درہم سے کم نہ ہوگا،[4] قرآن مجید سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ومتعوھن، علی الموسع قدرہٗ	اور ان کو متاع دو، کشادہ دست پر
وعلی المقتر قدرہ (بقرہ ۲۳۶)	اس کے مطابق اور تنگدست پر اس کے لحاظ سے

متاع کی ان تفصیلات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ محض مطلقہ کا نفقہ نہیں ہے۔ بلکہ مطلقہ عورتوں کی چاروں قسموں کے لیے متفقہ طور پر فقہاء نے متاع کو واجب ہی نہیں کیا ہے۔

متاع کس لیے واجب ہے امام شافعی کا یہ مسلک ضرور ہے، کہ ہر قسم کی مطلقہ کے لیے متاع واجب ہے،[5] لیکن امام مالک کہتے ہیں کہ یہ صرف مستحب ہے، واجب نہیں ہے،[6] فقہائے احناف کے نزدیک ایسی مطلقہ جس کا مہر طے نہیں ہوا، اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق ہو گئی تو اس کے لیے یہ متاع واجب ہے، کیونکہ مطلقہ کی یہی قسم ایسی ہے، جس کے لیے نہ عدت تھی اور نہ مہر مقرر تھا، ورنہ خلوت صحیحہ ہونے کی صورتوں میں مستحب ہے، اور ایسی مطلقہ کے لیے جس کا مہر مقرر نہ تھا، اور خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اس کے لیے یہ متاع نہ واجب ہے، نہ مستحب ہے۔[8]

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۷ [2] ابن ماجہ ص ۱۴۸ [3] ہدایہ ج ۲ ص ۳۰۳ [4] ایضاً۔
[5] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۲۔ [6] بدایۃ المجتہد ص ۸۲ [7] ایضاً ج ۲ ص ۳۰۵۔
[8] الفتاوی العالمگیریہ ج ۱ ص ۳۰۲۔

Marfat.com

متاع کے ساتھ معروف کی قید ہے، جس سے حسن سلوک حسن معاشرت کی تاکید ظاہر ہوتی ہے، اس میں رواج اور دستور وغیرہ کی رعایت بھی شامل ہے[١]۔

اس مختصر بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مفسرین (فقہا نے متاع کو عدت کے نفقہ کی حیثیت کسی درجہ میں نہیں دی ہے، اس کی مقدار اور اس کی کیفیت سے اس کے واجب اور مستحب ہونے کی بحث سے اور اس کے غیر متعین ہونے کی صورتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مہر اور نفقہ عدت کے علاوہ ایک ایسی چیز ہے جس کو بطور حسن سلوک، مطلقہ کے لیے آخری تحفہ کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے[٢]، حتی کہ متاع کی بحث کو بجائے نفقات کے باب کے مہر کے باب میں درج کیا گیا ہے[٣]۔ ان تمام حقیقتوں کے ہوتے ہوئے وللمطلقت متاع بالمعروف سے مطلق نفقہ (جس میں نکاح ثانی یا موت تک کے نفقہ کی گنجائش ہو) مراد لینا امت کے اجماع کے خلاف رائے قائم کرنے کے مرادف ہے، جو قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

مدعی کے وکیل یا وکیلوں کی بحث کی تفصیلات سے ہم ناواقف ہیں، مگر اس فیصلہ کے متن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مدعی کی جانب سے یہ بات کہی گئی تھی کہ متاع سے مراد نفقہ (Maintenance) نہیں ہے، بلکہ کچھ سامان (Provisions) ہے۔

مگر ان کی اس دلیل کو فاضل جج نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ

"مدعی کا یہ دعوی کہ لفظ متاع کا مطلب کچھ سامان خورد و نوش ہے نفقہ نہیں ہے، تو یہ بے فرق کا امتیاز ہے۔"

متقین سے کون لوگ مراد ہیں | آیت کے اس جزو یعنی حقا علی المتقین (یہ حق ہے پرہیزگاروں پر) کے بارہ میں مدعی کی جانب سے جو تفسیر پیش کی گئی، ہم کو اس کی تفصیلات بھی معلوم

---

[١] ترجمان القرآن ج ١ [٢] الفتاوی العالمگیریہ ج ١ ص ٣٠٢ [٣] ایضاً

Marfat.com

نہیں ہیں، مگر فیصلہ کے متن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

مسلم پرسنل بورڈ نے یہ استدلال پیش کیا تھا کہ یہ متاع بالمعروف کا حکم متقی لوگوں کے لیے ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے، ورنہ بجائے متقین کے مسلمین کا لفظ ہوتا۔ درحقیقت قرآن مجید میں مومنین مسلمین اور متقین کے الفاظ کا اختلاف سیاق بیان کے لحاظ سے ہے، ورنہ وسیع تر مفہوم میں یہ سب ہم معنی ہیں مثلاً قرآن مجید کے بارہ میں یہ آیت ہے کہ یہ متقین کے لیے ہدایت نامہ ہے، تو اس سے یہ مراد نہیں لیا جاسکتا کہ یہ مومنین کے لیے ہدایت نہیں ہے، تمام مفسرین نے اس سے یہ مراد لیا ہے کہ شریعت کے احکام کی بجاآوری کے درجہ میں ہر مسلمان کو پرہیزگار ہونا ہی ہے، کہ وہ صریح شرک اور صریح کفر سے بچنے والا ہوتا ہی اور اس سے تقویٰ کی امید کی جاتی ہے۔[1]

اس کے بعد فاضل جج نے مدعی کی اس دلیل کو بھی رد کر دیا ہے کہ چونکہ نان نفقہ کا معاملہ دفعہ ۱۲۷۔ ۳۔ بی کے تحت آتا ہے، اس لیے مدعی علیہا کی درخواست کو جو دفعہ ۱۲۵ کے تحت ہے، خارج کر دیا جائے، اس دلیل کو رد کرتے ہوئے فاضل جج یہ لکھتے ہیں کہ۔

"یہاں یہ سوال اٹھتا ہے، کہ کیا مسلم پرسنل لا کے تحت کوئی رقم بیوی کے لیے طلاق کے وقت واجب الادا ہے؟ ہم کو اندھیرے میں ہاتھ پاؤں نہیں مارنے ہیں اور نہ یہ اندازہ لگانا ہے، کہ وہ رقم کس قسم کی ہوسکتی ہے، کیونکہ ہمارے سامنے مدعی اور اس کے حامیوں نے صرف یہ دلیل دی ہے کہ مہر وہ رقم ہے جو بیوی کے لیے طلاق کے وقت شوہر پر واجب ہوتی ہے، ہم اس دلیل کو تسلیم کرنا ناممکن سمجھتے ہیں۔"
(پیراگراف نمبر ۲۳)

مہر اور فاضل جج کا تبصرہ

اس کے بعد انھوں نے مہر کی تعریف متعین کرنے میں ملا اور پارس دیوان

---

[1] تفسیر ماجدی ج ۱، ص ۵۰۷۔

کی کتابوں کے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ (پیراگراف ۲۴) فاضل جج اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے، کہ مہر کی رقم نکاح کے عوض میں واجب ہوتی ہے۔ یا یہ بیوی کے احترام کی علامت کے طور پر واجب کی گئی ہے۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ

"کیا مہر وہ رقم ہے، جو طلاق کے وقت، بیوی کے لیے، شوہر پر واجب الادا ہوتی ہے۔" (پیراگراف ۲۴)

اس بعد فاضل جج نے مہر معجل عندالطلب اور مہر موجل کے بارہ میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"یہ حقیقت ہو کہ مہر موجل نکاح کے فسخ کے وقت واجب الادا ہوتا ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ طلاق کے وقت واجب الادا ہے۔ اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ طلاق کے ذریعہ فسخ نکاح کے وقت جو مہر کی رقم ادا کی گئی، وہ مہر موجل ہے، تو بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہ رقم ہے جو طلاق کے وقت واجب الادا تھی۔" (پیراگراف ۲۴)

فاضل جج نے مختلف پیرایوں سے اس بات پر زور دیا ہے کہ مہر کی رقم، وہ رقم نہیں ہے جو طلاق کے وقت واجب الادا ہوتی ہے۔ مہر نکاح کے معاوضہ کی صورت میں ہو، یا عورت کے احترام کے بدلہ میں ہو، دونوں صورتوں میں اس کو ایسی رقم نہیں کہہ سکتے جو طلاق کے وقت واجب ہوتی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ

"یہ ہو سکتا ہے کہ طلاق، اس وقت کے لیے ایک مناسب اور بروقت عمل ہو، جس وقت کہ بیوی کے لیے، شوہر پر مہر موجل واجب الادا ہوتا ہے۔ لیکن رقم کی یہ ادائیگی، طلاق کے وقوع پر منحصر نہیں ہے۔" (پیراگراف ۲۴)

اس کے بعد پیراگراف ۲۵ اور ۲۶ میں فاضل جج نے الہ آباد ہائی کورٹ کے ایک فیصلہ اور پریوی کونسل کے ایک اور فیصلہ سے مہر کی مذکورہ بالا تعریف کو ہی دلیل کے

Marfat.com

طور پر پیش کیا ہے، مہر کی رقم اکو طلاق کے وقت واجب الادا رقم کی حیثیت کی اصل وجہ دفعہ ۱۲۸ ہی کی یہ شق ہے۔

"یہ دفعہ اپنے دائرے کے اندر یہ ظاہر کرتی ہے کہ اگر بیوی کو شوہر کے ذریعہ طلاق دی گئی، اور ایک ایسی رقم جو کسی بھی دستور یا پرسنل لا کے مطابق ہو اور فریقین کے لیے مناسب ہو اور طلاق کے وقت واجب الادا ہو، اور اس کو بیوی نے قبول کر لیا ہو تو مجسٹریٹ، نفقہ کا حکم ختم کر دے گا۔" (پیراگراف ۲)

مہر کی اصل نوعیت کیا ہے | مذکورہ دفعہ کی عبارت سے واقعی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلم پرسنل لا میں کوئی رقم ایسی ہے جو خاص طلاق کے وقت واجب الادا ہوتی ہے؟ اگر ایسی کوئی رقم ہو یا نہیں ہے، تو پھر مہر کی اصل نوعیت کیا ہے؟

اس کا صاف اور صریح جواب یہ ہے کہ شریعت نے خاص طلاق کے وقت کوئی ایسی رقم واجب نہیں کی ہے جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ یہ طلاق کے عوض میں واجب الادا ہے، متاع کی رقم یا سامان کو بھی اس میں شامل نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ اوپر متاع کی بحث سے ظاہر ہوتا ہے۔

اب مہر کا معاملہ ہے، مہر کا تعلق، طلاق کے احکام سے ضرور ہے لیکن مہر، در اصل، نکاح کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔[1]

قرآن مجید کی ان آیات سے مہر کی اہمیت اور ادائگی کی تاکید ظاہر ہوتی ہے۔

وآتوا النساء صدقتهن نحلة	عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دو
فانكحوهن باذن اهلهن و	تو عورتوں سے نکاح کرو ان کے

---

[1] بدایۃ المجتہد۔ ص ۱۵، نکاح کی دوسری اہم شرطوں میں نفقہ کا لحاظ کے اندیشہ کا نہ ہونا بھی ہے۔ (بحر الرائق ج ۳ ص ۹۸)

Marfat.com

وآتوهن أجورهن بالمعروف — اولیاء کی اجازت سے اور ان کو ان کا
والمحصنت من المومنات — بدلہ دو اچھے طریقہ سے اور نیک پارسا عورتیں
والمحصنات من الذین — جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں
اوتوا الکتاب من قبلکم اذا — میں سے بھی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی
آتیتموهن اجورهن — وہ جائز ہیں جب کہ تم ان کا معاوضہ دیدو۔
فما استمتعتم به منهن — تو جس طریقہ سے تم ان عورتوں سے فائدہ
فآتوهن اجورهن۔ — اٹھاتے ہو تو ان کو ان کا مہر دو۔

مہر کو اجر کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ وہ نکاح کی منفعتوں کے بدل میں ہے[۱]، اس کے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے عورت کی عظمت و شرف کا اظہار ہوتا ہے۔

والمهر واجب شرعا ابانة — اور مہر شرعاً واجب ہے، محل کی عزت
لشرف المحل[۲] — و شرف کے اظہار کے طور پر۔

مہر کی رقم ایسا مال ہے، جو بیوی سے خاص فائدے حاصل کرنے کے بدلہ میں واجب ہوتا ہے،

اسم للمال الذی یجب فی — (مہر) اس مال کا نام ہے جو عقد نکاح میں
عقد النکاح علی الزوج فی — شوہر پر واجب ہوتا ہے، خاص محل تمتع
مقابلة البضع اما بالتسمیة — کے مقابلہ میں، یہ یا تو مقرر کیا جاتا ہے
أو بالعقد[۳] — یا عقد سے مقرر ہو جاتا ہے۔

مہر کی رقم کی زیادہ سے زیادہ مقدار کی کوئی حد نہیں ہے، البتہ فقہاء نے حنفیہ نے اس کی کم تر کم

---

[۱] احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۲۴، [۲] ہدایہ ج ۲ و بحر الرائق ج ۳ ص ۲۴، [۳] رد المحتار ج ۲
[۴] بدایۃ المجتہد ص ۵، [۵] ایضاً

Marfat.com

مقدار ۱۰ درہم مقرر کی ہے[1]

مہر کب ادا ہوتا ہے | مہر کی ادائیگی تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے پائے جانے سے موکد اور یقینی ہوتی ہے، ایک دخول دوسرے خلوت صحیحہ اور تیسرے یہ کہ زوجین میں سے کسی ایک کا انتقال ہوجائے، ان تینوں حالتوں کی وجہ سے مہر کا ادا کرنا، شوہر پر واجب اور موکد ادا ہوجاتا ہے۔

والمهر تياكد باحد معان،	اور مہر تین طرح سے موکد ہوتا ہے،
الدخول والخلوة الصحيحة	دخول سے، خلوت صحیحہ سے اور زوجین
وموت احد الزوجين[2]	میں کسی ایک کی موت سے۔

دخول سے اس طرح کہ مبدل کی سپردگی، ثابت ہوتی ہے، موت سے نکاح انتہا کو پہونچ جاتا ہے، اور کوئی بھی چیز اپنی انتہا سے موکد ہوتی ہے تو نکاح کے موکد ہونے سے مہر بھی ثابت ہوجاتا ہے، اور خلوت صحیحہ کا حکم، دخول کے حکم کی مانند ہے[3]

مہر کی دو قسمیں ہیں مہر معجل عند الطلب اور مہر موجل،

اگر مہر معجل ہے تو عورت کے طلب کرنے پر اس کی ادائیگی واجب ہے، اور عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر کی رقم وصول ہونے تک اپنے آپ کو شوہر کی سپردگی میں دینے سے روکے رکھے حتی کہ اگر مہر معجل کی رقم شوہر نے پوری ادا کردی اور صرف ایک درہم باقی رہ گیا تو بھی عورت کو حق ہے کہ وہ اپنے نفس کو شوہر سے روکے رکھے[4]

مہر موجل اور مقامی عرف وعادت، | اور مہر اگر موجل ہے اور ایک خاص مدت اور انتہا تک معلوم ومقرر ہے، جیسے کچھ مہینے یا چند برس، تو یہ بھی درست ہے[5] اور یہ مدت اگر معلوم ومقرر نہیں ہے تو بھی درست ہے، کیونکہ ایسی صورت میں انتہاء مدت خود بخود

---

[1] ہدایۃ المجتہد ص ۱۵ [2] الفتاوی العالمگیریہ ج ۱ ص ۳۰۳ [3] بحر الرائق ج ۱ ص ۱۴۳ [4] ایضاً [5] فتاوی عالمگیر ج ۱ ص ۱۸-۳۱۶

Marfat.com

حیثیت ہو جاتی ہے، اور وہ طلاق ہے، یا پھر موت ہے[1] اور مہر میں اگر معجل یا موجل کی تصریح نہیں ہے تو اس قسم کے مہر میں عرف و عادت کا خیال رکھا جائے گا، یعنی اس میں مقامی دستور اور رواج کے مطابق فیصلہ ہوگا، اگر لوگ عادتاً موت و طلاق سے پہلے مہر ادا کرتے ہیں، تو ایسا ہی کیا جائے گا ورنہ نہیں، اسی لیے مطلق مہر موجل کی ادائگی کا فتویٰ زوجین کے علاقہ کے عرف پر منحصر ہوگا، کیونکہ جو عرف سے ثابت ہے وہ شریعت کی گویا ایک شرط ہے۔

الثابت عرفاً کالثابت شرطاً[2]

ہندوستان میں عرف و عادت یہی ہے کہ عام طور سے مہر موجل، طلاق یا موت کے وقت ادا کیا جاتا ہے[3] اسی لیے ایک فتویٰ کے مطابق ان دونوں حالتوں سے پہلے عورت اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی ہے[4] لیکن مہر کے ثابت ہونے کے حق اور مطالبہ کرنے کے حق میں جو فرق ہے، وہ پیش نظر رہنا ضروری ہے۔

اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دفعہ ۲، ۳، بی کے سیاق میں جو یہ الفاظ ہیں کہ

"اس دفعہ کے قانونی اختیار میں، مہر کی رقم کی ادائگی کی حیثیت ایک رائج طریقہ ادائگی کی طرح ہے۔"

تو یہ قطعی درست ہے، عرف و عادت کا خیال رکھنا غلطی نہیں ہے جیسا کہ فاضل جج کہتے ہیں کہ یہ سہو اور غلطی ہے۔

اب ان تصریحات کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں عام طور سے مہر کی رقم طلاق یا موت کے وقت واجب الادا ہوتی ہے، مگر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ مہر کی رقم وہ رقم ہے جو خاص، طلاق کے وقت واجب الادا ہوتی ہے، مہر کی بحث بالکل واضح اور غیر مبہم ہے

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۳۱۸-۳۱۰ [2] رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۸ [3] اصول شرع الاسلام ج ۱ ص ۲۹۵ فتاویٰ نظامیہ ج ۲ ص ۲۱۲، فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۱۳۔ [4] ایضاً

Marfat.com

اس پہ کسی کو بھی اس سلسلہ میں اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مدعی کی تیسری دلیل | نفقہ، عدت، متاع اور مہر پر اس گفتگو کے بعد ہمارے سامنے مدعی کی تیسری اور آخری دلیل ہے۔ اس دلیل سے یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ پارلیمنٹ کا رجحان اس جانب ہے کہ مسلم پرسنل لا کے معاملات کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۷۳ء کے راجیہ سبھا کے ایک اجلاس میں اس وقت کے وزیر مملکت برائے امور داخلہ مسٹر رام نواس مردھانے ایک تقریر کی تھی، پیراگراف ۲۶ میں اس تقریر کا اقتباس دیا گیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی یہ خواہش نہیں ہے کہ وہ کوڈ آف کریمنل پروسیجر کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت کرے۔ البتہ اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان اگر خود سے مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے لیے پیش قدمی کریں تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔

فاضل جج نے مدعی کی اس تیسری دلیل کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ:

"ہم کو اس سوال سے تعلق نہیں کہ حکومت، کوڈ کی دفعات ۱۲۵ اور ۱۲۷ کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی خواہشمند ہے یا نہیں، لیکن حکومت نے اتنی ترمیم کی ہے، جیسا کہ وزیر موصوف نے کہا کہ لفظ بیوی کے مفہوم میں مطلقہ بیوی بھی شامل کی جائے۔ ایک اور اہم تبدیلی یہ ہوئی کہ اگر شوہر کسی دوسری عورت سے نکاح کرتا ہے تو اس کا یہ عمل، بیوی کے اس کے ساتھ رہنے سے انکار کر دینے کی بنیاد بن سکتا ہے۔" (پیراگراف ۲۵)

کرشنا ایر کی ستائش | اس کے بعد فاضل جج نے بائی طاہرہ اور فضلن بی کے مقدموں کے فیصلوں کی توثیق کی ہے، اور جسٹس کرشنا ایر کی ستائش کی ہے، جنہوں نے ان دونوں مقدموں کی سماعت کی تھی، فاضل جج لکھتے ہیں:-

Marfat.com

"انھوں (کرشنا ایر) نے قانون کی غرض و غایت سمجھانے میں مقصد اور ضابطہ پر اعتماد کیا ہے، معاشرہ کے متاثر طبقوں کی حالت کو بہتر بنانے اور واقعات کی تعبیر و توضیح میں اس قسم کی تعمیری صلاحیت کی بہت اہمیت ہے، ہم کو یہ ظاہر کرنا ہے کہ انصاف کی دیوی کی زبان کو اگر اختیار کرنا ہے تو اس بات کو شامل کرتا ہوگا کہ مطلقہ مسلمان بیوی کو یہ حق ہے کہ وہ نان نفقہ کے لیے دفعہ ۱۲۵ کے تحت درخواست دے۔" (پیراگراف ۲۹)

مذکورہ کے ان الفاظ سے فاضل جج نے یہ باور کرایا ہے کہ مسلمان مطلقہ عورت کو عدت گزرنے کے بعد نان نفقہ دلانا اور شریعت کے مسلمہ اصولوں کو رد کرنا، یہ دراصل معاشرہ کے متاثر طبقوں کی حالت کو بہتر بنانا ہے، اور یہی انصاف کی اندھی دیوی کی پکار ہے۔

مسلم پرسنل لابورڈ کی مداخلت، اس کے بعد مسلم پرسنل لابورڈ کی مقدمہ میں مداخلت اور مدعی کی حمایت پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ ان لوگوں نے ایک "مظلوم، بے سہارا اور مفلس عورت" کے حق کو ختم کرنے کے لیے سرگرم ہو کر انتہا پسند موقف اختیار کیا۔

فیصلہ میں مسلم پرسنل لابورڈ کے چند تحریری معروضات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ فاضل جج لکھتے ہیں:۔

"آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی تحریری معروضات میں یہ طول طویل دعوی کیے گئے ہیں کہ ایک مسلمان مطلقہ عورت اپنا خرچ، آئندہ زندگی میں کس طرح چلائے گی، اسکے متعلق تفتیش کرنا ایک غیر متعلق بات ہے، بورڈ کا اس کا جواب یہ ہے کہ پرسنل لا نے مہر کا طریقہ اسی لیے تجویز کیا ہے کہ عورت اپنی ضروریات کو پورا کر سکے، اور اگر عورت مفلس ہے تو اس کو اپنے رشتہ داروں مثلاً بھتیجوں یا دوسرے رشتہ کے بھائیوں سے مدد لینی چاہیئے، یہ زندگی کی طرح قانون کا بھی

Marfat.com

سب سے زیادہ غیر دانشمندانہ نظریہ ہے۔" (پیراگراف ۳۱)

غیر اور مفلس عورت کے نفقہ میں ساری باتیں اوپر گزر چکی ہیں، اسلئے انکی تکرار کی ضرورت یہاں نہیں ہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ کہنا کہ مفلس مطلقہ آئندہ اپنا خرچ کس طرح چلائے گی، وہ ایک غیر متعلق بات نہیں قرار دی جاسکتی ہے، اس کو ایک غیر دانشمندانہ بات قرار دینا، خود غیر دانشمندانہ بات ہوگی، کیونکہ اس قسم کے اندیشوں اور اندازوں سے عقوبات اور تعزیرات کی دنیا میں نئے نئے فتنوں کی راہ ہموار ہوسکتی ہے، مثلاً ایک قاتل جس کو سزائے موت یا عمر قید کی سزا دی گئی ہو، اور اس کی بیوی افلاس کے عالم میں ہو اور اپنا خرچ خود نہیں چلا سکتی ہو تو اس کا لائحہ عمل کیا ہوگا، اور جب رشتہ داروں سے مدد لینا[1] ایک غیر دانشمندانہ نظریہ ہوگا، تو پھر وہ کیا کرے گی، اس قسم کے بہت سے مسائل صرف اندیشوں اور اندازوں کی دین ہوتے ہیں، اس لیے مسلم پرسنل لا بورڈ کے معروضات ایسے نہیں ہیں جن پر سرسری نگاہ ڈال کر ہدف طنز بنایا جائے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ میں ملک کے مستند اور جید علماء بھی شامل رہیں، جن پر ملک کے مسلمانوں کا مکمل اعتماد ہے، ان کے معروضات کو رد اس لئے کر دیا جائے کہ فاضل ججوں کی مطلب برداری ان سے نہیں ہوتی ہے، اور سہارا ایسے دانشور کا لیا جائے جو عالم نہیں، قرآن وسنت کے احکام کے سلسلہ میں اس کی رائے مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں، مگر اس کی رائے فاضل ججوں کے لیے اس لیے قابل اعتماد ہے کہ اس سے ان کی مطلب براری ہوتی ہے۔ میری مراد ڈاکٹر طاہر محمود سے ہے، جن کا ذکر آگے آئے گا۔

یکساں سول کوڈ کا مطالبہ اس کے بعد پیراگراف ۳۲ میں حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا ہو کہ

---

[1] رشتہ داروں سے مدد لینے اور رشتہ داروں کا کسی مفلس عزیز کی مدد کرنے میں جو فرق ہے، اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

وہ یکساں سول کوڈ کو نافذ کرے، کیونکہ یکساں سول کوڈ کے ذریعہ سے قومی یکجہتی کے مواملہ میں مدد مل سکتی ہے، اور دستور کا اگر وجود با معنی ہے، تو اس سلسلہ میں اب آغاز کرنا ہی ہوگا اور اگر دستور اس فرض سے عہدہ برآ نہیں ہوتا ہے، تو پھر عدالتوں کو مصلحین کی ذمہ داریاں سنبھالنا ہوں گی، کیونکہ حساس ذہنوں کے لیے یہ ناقابل برداشت ہے کہ وہ نا انصافی کو عام ہونے دیں، فاضل جج کے الفاظ یہ ہیں:

"افسوس کی بات ہے کہ ہمارے دستور کا آرٹیکل ۴۴، ایک بے جان عبارت ہے، اسکی عبارت یہ ہے، "ریاست پورے جمہوریہ ہند کے شہریوں کے تحفظ کے لیے یکساں سول کوڈ کی کوشش کرے گی" لیکن ملک کے لیے ایک یکساں سول کوڈ کی تشکیل کے لیے کسی سرکاری کوشش کا وجود نہیں ملتا ہے، اس صورت پیدا ہوتی ملتی ہے کہ یہ مسلمانوں پر ہے کہ وہ اپنے پرسنل لا کی اصلاح کے پیش قدمی کریں، ایک مشترکہ سول کوڈ، قومی یکجہتی کے نصب العین کی مدد کرے گا کہ اس کی وجہ سے متضاد نظریات رکھنے والی اور قانون کی متوازی وفاداریاں ختم ہو جائیں گی، اس مسئلہ پر بے ضرورت رعایتیں دینے کی اجازت ہوا کرکوئی جماعت بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے سے رہتی، یہ صرف ریاست کی ذمہ داری ہے، کہ وہ تحفظ کی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے، ملک کے شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ کا انتظام کرے، اور وہ متفقہ طور پر ایسا کرنے کی قانونی قوت بھی ہے، اس معاملہ میں ایک وکیل نے دبے الفاظ میں اور ایک نے زیادہ بلند آواز میں کہا ہے کہ قانونی اختیارات ایک چیز ہیں اور انہیں بروئے کار لانے کی سیاسی ہمت اور چیز ہے، ہم مختلف مذہبوں کے افراد کو ایک مشترک

Marfat.com

پلیٹ فارم پر لانے کی مشکلات کو سمجھتے ہیں، لیکن اگر دستور کا کوئی مفہوم ہے تو اس سلسلہ میں آغاز کرنا ہی ہوگا، ورنہ مصلحین کی ذمہ داریوں کو عدالتیں سنبھالیں گی، کیونکہ حساس ذہنوں کے لیے یہ ناقابل برداشت ہے کہ وہ ناانصافی کو عام ہونے دیں، جب کہ وہ اس درجہ صاف اور محسوس ہو لیکن عدالتوں کے یہ جزوی فیصلے، متفرق پرسنل لاؤں کے درمیان واقع خلیج پر پل بنانے میں یکساں سول کوڈ کی جگہ نہیں لے سکتے، سب کے ساتھ انصاف یہ انصاف تقسیم کرنے کا زیادہ اطمینان بخش راستہ ہے، بخلاف اس کے کہ ایک معاملہ اور پھر دوسرے معاملہ میں انصاف کیا جائے۔" (پیراگراف ۳۲)

ہم اس عبارت کے مالہ وماعلیہ کے بارہ میں کوئی بات نہیں کہنا چاہتے ہیں قارئین خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ قومی یکجہتی کو کس طرح تقویت مل سکتی ہے، اور شریعت کی وہ ناانصافیاں کیا ہیں، جو اب حساس ذہنوں کے لئے ناقابل برداشت ہیں، اور یہ حساس ذہن کون ہیں جو اب صرف منصف کی ہی نہیں، مصلح کی ذمہ داریاں بھی "بدرجہ مجبوری" برداشت کر رہے ہیں۔

شریعت جامع اور عادل ہے | شریعت کی ناانصافیوں کی نشاندہی تو یہ "حساس ذہن" ہی کر سکتے ہیں، البتہ ہم شریعت کے قوانین خصوصاً نکاح وطلاق کی افادیت وجامعیت اور ان کی عدل گستری کے بارہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک تحریر کو یہاں نقل کرتے ہیں،

"ازدواجی زندگی کا معاملہ نہایت اہم اور نازک ہے، اور مردکی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں سے ہمیشہ عورتوں کی حق تلفی ہوتی ہے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ اللہ نے انھیں نیک ترین امت ہونے کا مرتبہ عطا کیا ہو۔

Marfat.com

اور کتاب و حکمت کی تعلیم نے ہدایت و موعظت کے تمام پہلو واضح کر دیئے ہیں، پس اپنے جماعتی شرف و مقام کی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہوں اور ازدواجی زندگی میں اخلاق و پرہیزگاری کا بہترین نمونہ بنیں، جس جماعت کے افراد کی ازدواجی زندگی درست نہیں ہے، وہ کبھی فلاح یافتہ جماعت نہیں ہو سکتی۔[1]

شریعت نے طلاق، نفقہ اور عدت جیسے مسائل میں بار بار خدا سے ڈرنے، بھلے طریقہ کو اختیار کرنے اور تقویٰ و احسان برتنے پر زور دیا ہے، وہ حساس ذہنوں کو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ وہ شریعت کے قوانین کی حکمتوں اور مصلحتوں پر خلوص دل سے غور کریں، یہاں مولانا اشرف علی تھانوی کا ایک جملہ قابل مطالعہ ہے، وہ آیت وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"احکام نکاح و طلاق وغیرہ میں جابجا اتقوا اللہ اور سمیع علیم، عزیز حکیم اور بصیر خبیر اور ھم الظالمون اور فقد ظلم نفسہ وغیرہا کا آنا اس بات کی دلیل ہے، کہ یہ سب احکام شریعت میں مقصود اور واجب ہیں بطور مشورہ کے نہیں، جن میں ترمیم و تبدیل کرنے یا عمل نہ کرنے کا ہم کو نعوذ باللہ اختیار حاصل ہو۔"[2]

طاہر محمود کا حوالہ فاضل جج نے یکساں سول کوڈ کی حمایت میں سپریم کورٹ کے ایک مسلمان وکیل اور ایک علمی ادارہ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر طاہر محمود کے قول کو نقل کیا ہے، ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب مسلم پرسنل لا میں یکساں سول کوڈ کی حمایت میں یہ کہا ہے کہ:

"سیکولرزم کے ہدف کی تلاش میں، ریاست کو ایسے مختلف پرسنل لاؤں کو

---

[1] ترجمان القرآن ج ۲ ص ۲۰۵ [2] بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۲۔

Marfat.com

ختم کر دینا چاہیے، جو مذہبی بنیادوں پر قائم ہیں، لیکن اس سلسلہ میں رہنمائی اکثریت کی جانب سے ہو۔"

(مسلم پرسنل لا، طاہر محمود۔ ص ۲۰۰-۲)

فاضل جج کی رائے یہ ہے کہ اکثریت کی جانب سے رہنمائی چاہیے نہ ہو حکومت کے لیے اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانا ضروری ہے، اور اس کے لیے طاہر محمود کے اس قول کو بنیاد بنانا مفید ہوگا، جو حسب ذیل ہے۔

"بجائے اس کے کہ اپنے روایتی پرسنل لا کو ریاست کی قانونی عدلیہ سے آزادی دلانے کے لیے مذہبی اور سیاسی دباؤ ڈالا جائے اور اپنی صلاحیتوں کو برباد کیا جائے، مسلمانوں کے لیے تحقیق و جستجو زیادہ بہتر ہوگی کہ ایسے اسلامی قوانین کس طرح یکساں سول کوڈ کو ثروت عطا کر سکتے ہیں، جو پوسیدہ و فرسودہ نہ ہوں اور غلط تعبیرات کی آلودگی سے پاک صاف ہوں۔"

(پیراگراف ۳۳)

ڈاکٹر طاہر محمود کے ان خیالات پر تبصرہ کرنے سے پہلے ہم یہ یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ جب آزاد ہندستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں ملک کے نئے آئین سے متعلق بحث ہو رہی تھی، تو اس وقت بھی یہ کوشش کی گئی تھی، کہ الگ الگ پرسنل لا کے بجائے ایک مشترکہ یکساں سول کوڈ کا نفاذ کیا جائے، مگر اس وقت کے اسمبلی کے مسلم ممبروں نے اس کی شدید مخالفت کی تھی، ان لوگوں میں محمد اسمٰعیل صاحب، مولانا حسرت موہانی، نظیر الدین احمد اور حسین امام خاص تھے، ان لوگوں نے اس بات کی بھی کوشش کی تھی کہ مسلم پرسنل کے تحفظ کی ضمانت صراحت کے ساتھ دی جائے، حکومت نے یہ تو نہیں کیا تھا، تاہم ان لوگوں کے شکوک و شبہات کے جواب میں ڈاکٹر امبیڈکر نے یہ کہا تھا کہ

ڈاکٹر امبیڈکر کی یقین دہانی | حکومت کو محض ایک اختیار دیا جا رہا ہے، جس کا یہ مطلب نہیں کہ

Marfat.com

پرسنل لا کو ختم کر دینا اس کے لیے لازمی ہوگا، کسی کو یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہیے کہ محض اس اختیار کے مل جانے سے حکومت اس پر عمل کرنے کے لیے فوراً مصر بھی ہوگی حکومت کے اختیارات، عملاً ہمیشہ محدود رہتے ہیں، خواہ آپ انھیں لفظی طور پر کتنا ہی لامحدود کریں، کیونکہ حکومت کو اپنے اختیارات کے استعمال میں مختلف فرقوں کے جذبات کا احترام کرنا ہی پڑتا ہے، کوئی حکومت، اپنے اختیارات کو اس طرح استعمال نہیں کر سکتی جس کے نتیجہ میں مسلمان بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر کسی وقت حکومت ایسا کرنے کی سوچے گی تو وہ فاترالعقل ہوگی[1]

ڈاکٹر امبیڈکر، ہندوستان کے دستور کے واضع ہیں، لیکن ان کو مسلم پرسنل لا میں عدم مداخلت کی یہ تصریح اس لیے کرنا پڑی کہ وہ مختلف فرقوں کے لوگوں کے جذبات کے احترام کی اہمیت سے واقف تھے، مگر یہ افسوس کی بات ہے کہ جس اقدام کو وہ حکومت کی فاترالعقلی سے تعبیر کرتے ہیں، آج اسی اقدام کے لیے، ملک کے دستور کے سب سے بڑے محافظ ادارہ کی جانب سے ترغیب دلائی جا رہی ہے۔

طاہر محمود کے خیالات اب ہم ڈاکٹر طاہر محمود اور ان کے خیالات کے بارہ میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ گو یہ درست ہے کہ ان کا شمار دانشوروں کے ایک طبقہ میں ہوتا ہے، اسلامی قانون پر ان کے اپنے کچھ خاص خیالات ہیں، ان کی خاصی تحریریں بھی اس موضوع پر ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کو مسلم علماء اور عوام کا نمائندہ قرار نہیں دیا جا سکتا، ہمارے سامنے ان کی وہ کتاب سردست نہیں ہے، جس سے فاضل جج نے اقتباسات پیش کیے ہیں، تاہم ان کی ایک کتاب مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مسئلہ (شائع کردہ مکتبہ جامعہ) ہمارے پیش نظر ہے، اس میں انھوں نے یکساں سول کوڈ کا مطالبہ نہیں کیا ہے بلکہ یہ لکھا ہے کہ

---

[1] دستور ساز اسمبلی کے مباحثے ص ۵۶-۵۹، بحوالہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مسئلہ۔

Marfat.com

"مطالبہ کرنے والوں میں بیشتر لوگ اکثریتی طبقہ کے ہیں، مسلمانوں میں اس مطالبہ کے حامیوں کی تعداد بہت کم ہے"[1] وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ۔

"یہ بات البتہ قابلِ ذکر ہے کہ یکساں سول کوڈ کی تفصیلات اور جزئیات کا تصور فی الحال مبہم ہے، اور اس کے نفاذ کی راہ میں سردست زبردست مشکلات حائل ہیں، اول تو ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے جذبات کو نظر انداز کرنا دانش مندی کے خلاف ہوگا، مسلمانوں کی زبردست اکثریت کی شدید مخالفت کے باوجود یہ اقدام کرنا خود اس کے مقصد کو فوت کر دے گا، اور قومی اتحاد اور فرقہ وارانہ یکجہتی کو استحکام کے بجائے نقصان پہونچائے گا"[2]

ہماری رائے | ڈاکٹر طاہر محمود کے ان خیالات کو ہم اپنی آواز سمجھتے ہیں، البتہ اتنی وضاحت اور مقصود ہے کہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی راہ میں "فی الحال، سردست" زبردست مشکلات حائل نہ بھی ہوں، تو بھی شریعت کے مسلمہ اصول و قوانین کو فسخ کرنا یا ان میں ترمیم و تبدیلی کرنا ایک نہایت غلط اور ناقابلِ برداشت عمل ہوگا، شریعت کی جگہ یکساں سول کوڈ یا کسی بھی سول کوڈ کا مطالبہ اگر مسلمانوں کا کوئی مذہبی رہنما، یا عالم یا فقیہہ یا دانشور بھی کرتا ہے، تو بھی شریعت کے اصول و قوانین میں ترمیم یا تبدیلی نہیں کی جا سکتی، البتہ فروعی مسائل میں علماء و فقہا کو غور کرنے اور قرآن و حدیث پر قیاس کرنے کا حق پہلے بھی حاصل رہا ہے، اور یہ اب بھی حاصل ہے،

ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ

---

[1] مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مسئلہ، طاہر محمود ص ۴۴۔ [2] ایضاً

Marfat.com

اس کے بعد پیراگراف ۳۳ میں فاضل جج نے پاکستان کے عائلی کمیشن ۱۹۵۵ء سے ایک اقتباس نقل کیا، اور علامہ اقبال سے منسوب ایک قول کو بھی پیش کیا ہے، مگر اس کا جواب بھی دیا ہے، جو ابھی اوپر کی سطروں میں گزر رہا ہے۔

علامہ اقبال کے جس قول کو نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "ایک سوال جو مستقبل قریب میں مسلمان ملکوں کے سامنے آنے والا ہے، یہ ہے کہ آیا اسلام کا قانون ارتقا کیلئے قابل قبول ہے، یہ وہ سوال ہے جو ایک بڑی دانشورانہ توجہ کا محتاج ہے اور اس کا جواب یقیناً اثبات میں ہونا چاہیئے"۔ بظاہر علامہ اقبال کا یہ قول فاضل جج نے لیے اس نظریہ کی تائید کیلئے نقل کیا ہے، کہ اب اسلامی قانون نظر ثانی کا ضرورت مند ہے، لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی شخص کے ایک قول یا جملہ کو مکمل سباق و سیاق کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے، دوسری بات یہ ہے کہ علامہ اقبال قرآن و سنت و شریعت کے مسلمہ اصولوں میں تبدیلی کے قائل نہیں تھے، وہ اجتہاد کے قائل ضرور تھے لیکن اجتہاد کو انہی شرائط کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے جو مسلمان مجتہدین کے مخصوص ہیں، اور اس کیلئے وہ شریعت کے اصل مصادر کی جانب ہی رجوع کرتے تھے، اور یہی ان کی تعلیم تھی، چنانچہ کہتے ہیں۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن   نیست ممکن جز بقرآن زیستن

فاضل جج نے علامہ اقبال کی ایک رائے کو لائق اعتنا سمجھا، یہ اچھی بات ہے لیکن یہ اس لحاظ سے ایک اور عدلیہ کے حق میں بہتر نہیں ہے کہ اگر مسلمانوں نے علامہ اقبال کے اقوال و خیالات کو بطور دلیل پیش کرنا شروع کر دیا اور انصاف کی دیوی نے ان کو سننا شروع کر دیا تو ممکن ہے کہ ایک بار پھر دو قومی نظریہ کا احیاء شروع ہو جائے جس کو حکومت ہند کے لیے کسی طرح بھی فال نیک نہیں کہا جا سکتا۔

پیراگراف ۳۵ میں فاضل جج نے مدعی کی اپیل کو برخاست کرتے ہوئے مدعا علیہا کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ نفقہ میں اضافہ کی درخواست دے سکتی ہے

Marfat.com

عارف محمد خاں کی تقریر یہ سطریں لکھی جا چکی تھیں کہ پالیمنٹ میں مسلم لیگ کے ممبر جناب غلام محمود بنات والا نے ایک بل پیش کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ دفعہ ۱۲۵ میں ترمیم کی جائے۔ اس بل پر بحث کے دوران، حکومت کے وزیر مملکت برائے صنعت مسٹر عارف محمد خاں نے ایک تقریر کی، جس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کی حمایت کی گئی، تقریر میں بظاہر قرآن وحدیث کی روشنی میں بات کرنے کا دعویٰ کیا گیا، اور مفلس مطلقہ کے نان نفقہ تا نکاح ثانی پر سپریم کورٹ کے فیصلہ پر صاد کیا گیا، ملک کے قومی پریس اور پارلیمنٹ کے اکثر غیر مسلم ممبر حضرات نے تقریر پر داد تحسین دی، ہم نے اس تقریر کی مکمل رپورٹ کا مطالعہ کیا، تو اندازہ ہوا کہ پوری تقریر میں نفس موضوع یعنی مطلقہ کے نفقہ بعد عدت پر کوئی نئی بات یا دلیل ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے برخلاف تقریر کا زیادہ بڑا حصہ اسلام میں عورتوں کے حقوق اور مہر وغیرہ سے متعلق ہے جو بنات والا کے بل سے متعلق ہی نہیں ہے، اس کے علاوہ وزیر موصوف نے تقریر میں ایک بالکل ہی غیر متعلق موضوع یعنی طلاق ثلٰثہ کی فقہی حیثیت کو اپنی گفتگو کا مرکز بنایا۔ ہم پوری تقریر کو پڑھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ یہ بے ربط خیالات بلکہ شتر گربگی کا ایک نمونہ ہے، مثلاً تقریر کے آغاز میں یہ کہا گیا کہ "شریعت کا میدان، فقہ کا میدان ایسا ہے کہ جہاں آسانی سے رائے نہیں دی جا سکتی"۔ اس جملہ کا مطلب یہی ہے، کہ شریعت اور فقہ کے مسائل میں وہی لوگ رائے دے سکتے ہیں، جو علم شریعت کے حامل ہوں، مگر وزیر صاحب نے چند جملوں کے بعد یہ کہا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ بار بار ہمیں حکم ہے کہ ہمیں قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، یہ نہیں کہا گیا کہ کسی کے ذریعہ سے ہمیں مذہب کو سمجھنا ہے"۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس جملہ کے پہلے جزء پر سب کا ایمان ہے کہ قرآن کو سمجھنا ہی دین کا سمجھنا ہے مگر جملہ کے دوسرے جزء سے یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ علماء شریعت یعنی مفسرین و محدثین اور فقہاء اور صاحب فتاویٰ حضرات کے اقوال

Marfat.com

وآرا ناقابل توجہ ہیں، اور ان کے ذریعہ مذہب کو نہیں سمجھنا چاہئے۔ اور یہ کہ کوئی بھی شخص اپنی فہم اور اپنی عقل پر اعتماد کر کے جیسا چاہے، قرآن کا مطلب نکال لے، وزیر صاحب نے ایک جانب یہ کہا کہ "ان کو اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا پورا احساس ہے"۔ اور یہ کہ "یہ موضوع بہت ہی حساس ہے"۔ لیکن دوسری طرف ان کا انداز یہ ہے کہ "میں بولوں گا ضرور"۔

طلاق کے ذکر میں انھوں نے تفسیر ماجدی اور عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ قرآن کا نام لیا ہے۔ مگر ان سے وہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور کیسے ثابت کرتے ہیں، یہ ان کی تقریر کو بار بار پڑھنے سے بھی معلوم نہیں ہوتا۔ وہ مہر کا ذکر کرتے ہیں، مگر مہر کا مسئلہ تو متنازعہ ہی نہیں ہے، اور بل کا تعلق بھی اس سے نہیں ہے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس پر اس قدر مشق سخن کیوں روا رکھی گئی، ہم نے ان مذکورہ بالا مسائل کی حقیقت کو اوپر کی سطروں میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر بات اسی حد تک محدود ہوتی تو وزیر صاحب کی تقریر پر الگ سے کسی نوٹ کی ضرورت نہیں تھی، مگر نہایت تعجب اور افسوس کی بات یہ ہے کہ عارف محمد خاں نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے قطعی غیر متعلق موضوع کو چھیڑ دیا، جس کا بنات والمسلمین بل سے نہ تو براہ راست تعلق تھا، اور نہ بالواسطہ ہی اس سے تعلق قائم کرنے کی ضرورت تھی۔

انھوں نے کہا کہ "ایک مجلس کی تین طلاقیں جناب رسول اللہؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی، یہی طریقہ رائج تھا، اور اسی پر اجماع تھا، کہ حضرت عمرؓ نے اس کو تین طلاقیں مقرر کر دیا"۔ ایک حد تک تو تحقیق گوارا ہو سکتی ہے مگر اس کے بعد وزیر موصوف نے یہ کہا کہ "لیکن اس سے الگ ہو کر قرآن اور سنت سے الگ بھی کتنے قانون ایسے ہیں، جن کی سیدھی بنیاد قرآن اور سنت نہیں ہے"۔ گویا حضرت عمرؓ کے مذکورہ فقہی فیصلہ کی بنیاد، قرآن و سنت نہیں ہے، بلکہ وہ ان سے الگ ایک قانون ہے۔

Marfat.com

عارف خان نے زور بیان میں اسی بات پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ اور عمل کو انھوں نے "قسمت کی ستم ظریفی" کے الفاظ سے تعبیر کرنے کی جسارت کی، ان کے الفاظ یہ ہیں، "اب میں کہتا ہوں کہ ستم ظریفی ہوئی ہے قسمت کی کہ عمر بن الخطابؓ نے اس کی (تین طلاقوں کو تین ہی طلاق ماننے کی) اجازت دی" اس کے بعد اپنی رائے کی تائید میں انھوں نے پاکستان کے لاکمیشن کے کسی ممبر کی یہ رائے بھی نقل کر دی کہ "عمرؓ کا یہ فعل ہنگامی حیثیت رکھتا ہے" اور یہ کہ "آپ کو حضرت عمرؓ کو آخری وقت میں نہایت افسوس تھا کہ انھوں نے اس قسم کی طلاق کو جائز کیوں قرار دیا"۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک نازک فقہی مسئلہ پر بقول خود ایک کم علم اور بے مایہ شخص کتنی جسارت اور بے علمی کے ساتھ یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ جو وہ سمجھ رہا ہے وہی حق ہے، چنانچہ اس تقریر کے بعد عارف محمد خان نے ایک انٹرویو میں یہ کہا کہ "مسلمانوں میں طلاق اور اس سے پیدا شدہ زیادہ تر جھگڑے اس لیے پیدا ہوئے کہ ان میں طلاق بائن یا طلاق مغلظہ کا رواج ہو گیا، اگر یہ طلاق ختم کر دی جائے تو ان کے بہت سے مسئلے ختم ہو جائیں گے"۔

(قومی آواز ۱۰ ستمبر ۸۵ء)

اس قسم کے سطحی خیالات سے صرف نظر کرنا ہی بہتر طریقہ ہے، ہاں طلاق ثلثہ کے مسئلہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، ایک مجلس میں دی گئیں تین طلاقیں، تین ہوتی ہیں یا صرف ایک کے حکم میں رہتی ہیں، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے، جو جمہور فقہاء میں ایک متفقہ مسئلہ مانا جاتا ہے، اس مسئلہ میں چاروں ائمہ متفق ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر صحابہ کرامؓ اور جمہور تابعین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ یہ تین طلاقیں، تین ہی واقع ہوتی ہیں، ایک نہیں، البتہ فرقہ امامیہ کے علاوہ ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے اہم ائمہ اس بات کے قائل ہیں کہ ایک مجلس

Marfat.com

میں دی گئی تین طلاقوں کا حکم ایک طلاق کا ہے، اور اس سلسلہ میں ان کی خاص سند حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے، جو صحیحین میں موجود ہے، اور جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ؐ کے زمانہ میں اس قسم کی طلاق کو ایک ہی طلاق کے حکم میں لیا جاتا تھا، یہ روایت اس طرح ہے کہ "ابوصہبا نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ تین طلاقیں، رسول اللہ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں ایک شمار ہوتی تھیں تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں"، ابوداؤد کی ایک روایت ہے کہ "حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب کوئی، ایک منہ سے (بیک وقت) یہ کہے کہ تم کو تین طلاق تو یہ ایک ہوگی" (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۰۰) الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ اسی مفہوم کی بعض دوسری روایتیں بھی ہیں، مگر جمہور فقہا کا مسلک یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کا حکم تین طلاقوں کا ہی ہوگا، ایک کا نہیں ہوگا، ان کے یہاں استدلال میں کئی روایتیں ہیں، جن کا استقصا یہاں ممکن نہیں ہے، یہ روایتیں، امام بخاری و مسلم، امام مالک وابوداؤد اور امام نسائی دارقطنی وغیرہ نے نقل کی ہیں، صاحب فتح القدیر امام ابن الہمام نے ان سب کو نقل کیا ہے، ہم یہاں چند روایتیں پیش کرتے ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقوں اور ایک مجلس میں تین طلاقوں اور ان کے ایک ہی طلاق تسلیم کیے جانے کے واقعات، رسول اللہ ؐ کے عہد میں ملتے ہیں، مثلاً

"جب حضرت عویمرؓ اور ان کی بیوی دونوں لعان سے فارغ ہو لئے تو عویمرؓ نے کہا، یا رسول اللہ، اب اگر اسے پاس رکھوں تو میرا کذب ثابت ہو گا تو انھوں نے رسول اللہ ؐ کے حکم دینے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاق دیں۔"

(بخاری صفحہ ۷۹۱، باب اللعان صفحہ ۸۰۰، مسلم ج ۱، ص ۴۸۹)

Marfat.com

"ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق حضرت عویمر نے رسول اللہ کی موجودگی میں ہی تین طلاقیں دیں تو ان طلاقوں کو رسول اللہ نے نافذ فرمایا۔"
(ج ۱ ص ۳۱۳)

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو اس عورت نے دوسرے سے شادی کی، اور دوسرے شوہر نے دفورا بغیر صحبت کے) طلاق دیدی، آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا کہ اب پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے، آپؐ نے فرمایا، تاوقتیکہ پہلے کی طرح دوسرا شوہر اس سے صحبت کا لطف نہ اٹھالے۔" (صحیح بخاری ص ۷۹۱)

"ابن ماجہ نے ایک ہی مجلس میں تین طلاق دینے کے بارہ میں عامر شعبی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے طلاق کی کیفیت دریافت کی تو فاطمہ نے کہا کہ میرے شوہر نے مجھے (اکٹھی) تین طلاقیں دیدیں جبکہ وہ یمن جارہے تھے، آنحضرتؐ نے اسے نافذ کیا۔" (صفحہ ۱۴۷)

"امام نسائی نے بھی اکٹھی تین طلاقوں کی رخصت کے باب میں ابوسلمہ سے انہی الفاظ سے اس واقعہ طلاق کو بیان کیا۔ (نسائی صفحہ ۱۰۰ باب الرخصۃ فی الثلاث المجموعہ)

"دار قطنی کی ایک روایت کے مطابق حضرت معاذ بن جبلؓ سے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اے معاذ جو بدعی طلاق ایک یا دو یا تین دے گا تو ہم اس کی اس بدعی طلاق کو اس پر لازم کردیں گے۔ (جلد ۲ صفحہ ۴۳۳)

"حضرت علیؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ ایک شخص نے طلاق بتہ (مغلظہ) دی تو رسول اللہؐ سخت ناراض ہوگئے اور فرمایا کہ تم اللہ کی آیات کے

Marfat.com

ساتھ استہزاء کرتے ہو، جو شخص طلاق بتہ دے گا، تو ہم اس پر تین طلاقیں لازم کر دیں گے کہ اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک جائز نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔" (جلد ۲ ص ۴۳۳)

"حضرت ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ، فرمائیے، اگر میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہوتیں تو کیا میرے لیے یہ جائز تھا کہ میں اس سے رجوع کر لوں، فرمایا نہیں، وہ تم سے بائن ہوجاتی اور گناہ ہوتا۔"

ان احادیث کے علاوہ، صحابہ کرامؓ سے متعدد آثار منقول ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں ایک مجلس میں تین طلاقیں بھی دی گئیں، اور ان کو تین مانا بھی گیا، ان روایتوں کے فنی مقام پر فقہاء نے بحث کی ہے، اور مخالف و موافق دلیلیں دی گئی ہیں، یہ ایک بالکل جدا اور تفصیل طلب بحث ہے، حضرت ابن تیمیہ اور ابن قیم کے اپنے دلائل ہیں، اور ان کے مسلک کو فقہاء کی ایک بڑی جماعت نے بھی تسلیم کیا ہے، اور اس وقت مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کا عمل بھی اسی کے مطابق ہے، لیکن ہم یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس بحث میں یہ کہہ دینا کہ یہ حضرت عمرؓ کا ایک ہنگامی فعل تھا اور ان کا فیصلہ "قسمت کی ستم ظریفی ہے۔" یہ قرآن و سنت و فقہ سے صرف ناواقفیت ہی کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ ایک بہت بڑی جسارت اور جرم کی بات ہے، یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ علماء و فقہاء صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد موجود ہو، اور رسول اللہؐ کے کسی عمل کے برخلاف ایک صحابی کی رائے پر سب متفق ہو جائیں، اور پھر ایک ہنگامی حکم صدیوں جاری رہے، اور کسی بھی فقیہ اور عالم کو یہ احساس ہی نہ ہو کہ ایک وقتی حکم، دائمی حکم بن کر کیوں رائج ہے، عارف محمد خاں کو خود یہ احساس ہونا چاہیے کہ زد بیان میں

Marfat.com

ان کے ذریعہ ایک فاش غلط بات کہلا دی گئی ہے ۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وزیر موصوف نے نفقہ سے متعلق اس غیر ضروری بحث کو چھیڑ کر ہندوستان کے مسلمانوں کے دو بڑے فقہی مسلکوں کے درمیان ایک وجہ نزاع پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اس قسم کی حرکتیں سیاست کی دنیا میں تو گوارا ہو سکتی ہیں ، لیکن مذہب کے معاملہ میں یہ ایک مذموم کوشش کے سوا کچھ بھی نہیں ۔

عارف محمد خان نے پاکستان کے ایک عائلی کمیشن کی سفارشات کا ذکر کیا ہے ، یہ سپریم کورٹ کے فیصلہ میں بھی مذکور تھا ۔ عارف خان کے بقول اس کمیشن میں خلیفہ عبدالحکیم مولانا احتشام الحق تھانوی ، مسٹر عنایت الرحمن ، بیگم شاہ نواز ، بیگم انوار ، بیگم شمس النہار محمود شامل تھے ، ان لوگوں کے ناموں پر نظر ڈالنے سے ہی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس میں علماء کی نمائندگی کیسی تھی ، صرف مولانا احتشام الحق تھانوی بحیثیت عالم کے اس میں نظر آتے ہیں ، اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ اس کمیشن کی مذکورہ سفارش سے انھوں اختلاف کیا تھا اور اپنا نام واپس لے لیا تھا ، پھر اس کمیشن کی سفارشات پر پاکستان میں جو شدید ردعمل ہوا وہ بھی ماضی کے اوراق پر ثبت ہے ، پاکستان کے علماء نے جس علمی وفقہی انداز سے ان سفارشات کا تجزیہ کیا اس سے ان کا مہمل اور لغو ہونا ظاہر ہو گیا ۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ، عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ از مولانا امین احسن اصلاحی) مگر وزیر موصوف نے منفی طرز فکر کے زیر اثر صرف منفی پہلوؤں پر ہی نگاہ رکھی ، یہ عجیب بات ہے ، کہ پاکستان یا کسی بھی مسلم ملک کے قانون کا حوالہ پرسنل لا کے معاملہ میں اکثر دیا جاتا ہے ، لیکن ان ملکوں کے قوانین کے اسلامی اور مثبت پہلوؤں پر اگر عمل کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو پھر اسے ملک دشمن اور قوم دشمن طرز عمل قرار دینے میں ذرا تاخیر نہ کی جائیگی ،

Marfat.com

وزیر موصوف نے اپنی تقریر کو تفسیر ماجدی، ترجمہ قرآن عبداللہ یوسف علی، صحیح بخاری اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور اسپرٹ آف اسلام کے ذکر سے مزین کیا ہے، لیکن ان کے حوالوں سے وہ کوئی بات ثابت نہیں کرتے، پھر اور متاع مطلقہ کے بارہ میں ان کے خیالات وہی ہیں، جو سپریم کورٹ کے ہیں، لیکن متاع مطلقہ کے سلسلہ میں ایک آیت کی وضاحت انھوں نے جس طرح کی ہے، اس سے سپریم کورٹ کے فاضل جج بھی محروم رہ گئے۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔

یاایھا النبی قل لازواجک	اے نبی، آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں
ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا	کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی چمک
وزینتھا فتعالین امتعکن	دمک چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ دے دلاکر
واسرحکن سراحا جمیلاً	بھلے طریقے سے رخصت کر دوں۔

عارف محمد خاں، اس کی تشریح یوں کرتے ہیں" کہا ہے اگر عام عورتوں کی زندگی گزارنا چاہتی ہو، دنیا میں عیش و آرام کی زندگی گزارنا چاہتی ہو تو عام عورتوں کی طرح میں تمھیں رخصت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تمھارے لیے اتنا انتظام کر دوں کہ تم عیش و آرام کی زندگی گزار سکو۔

اس سے قطع نظر کہ عام عورتیں عیش و آرام کی زندگی گزارتی ہیں یا خاص عورتیں۔ آیت میں عام عورتوں کی طرح کا کوئی مفہوم نہیں، پھر کچھ دے دلاکر، کا یہ مطلب بیان کرنا کہ" اتنا انتظام کر دوں کہ عیش و آرام کی زندگی بسر کر سکو" یہ خالص وزیر موصوف کی تفسیر ہے۔" امتعکن" سے مراد متاع مطلقہ ہے، اس کی بحث اوپر گزر چکی ہے، اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی صاحب روح المعانی نے صاف طور سے لکھا ہے کہ

Marfat.com

مُتعکن: ای اعطکن متعة | امتعکن یعنی میں تم کو متاع طلاق

الطلاق (روح المعانی ج ۲ ص ۱۶۲) | دیدوں۔

متاع طلاق کی بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ چند کپڑوں یا کچھ مال یا سامان کو خوش دلی سے دینا ہے، اور یہ درجہ استحباب میں ہے، اس کو یہ وزیر موصوف زندگی بھر کے عیش و آرام سے خرچ کرنے کے بقدر مال و دولت سے تعبیر کرتے ہیں، اور اس اعتراف کے ساتھ کہ "میں ہرگز یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ میں لکھنے جا رہا ہوں، وہ قطعیت پر مبنی ہے" لیکن جب علماء حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں تو وہ اس لیے قابل تسلیم نہیں ہے کہ وہ "صرف مذہبی جذبات کو بھڑکاتے ہیں"۔

آخری بات | آخر میں یہ کہنا ہے، کہ قومی یکجہتی، ملک کی سلامتی کے لیے بھی بہت ضروری ہے، مگر یہ سپریم کورٹ کے فیصلہ، حکومت کے آرڈیننس، زور، جبر، تشدد، لوگوں کی دلآزاری اور دلشکنی سے قائم نہیں ہو سکتی، ملک کے لوگوں کو وفادار بنانے کے لیے دلدار ہونے کی بھی ضرورت ہے، یہ بات بھی یہاں پر نوک قلم سے نکل رہی ہے کہ ہندوستان کے اور لوگوں کو تو اس ملک سے محبت ان کے قومی جذبات کی بنا پر ہے، لیکن مسلمان تو ملک کی محبت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں، جیسا کہ مشہور قول ہے حب الوطن من الایمان۔

اور یہ دعویٰ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان جب سے ہندوستان میں آئے تو عربی، فارسی اور اردو کے لٹریچر میں ہندوستان جنت نشان سے اپنی محبت، الفت اور انس کے ثبوت میں شعر و ادب کا جو ڈھیر لگا دیا ہے وہ ہندی اور سنسکرت لٹریچر میں بھی نہیں پایا جائے گا۔

اس لیے ہم مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے بڑے وثوق و اعتماد کے ساتھ

Marfat.com

لکھتے ہیں کہ "اگر مسلمانوں کے مذہب کا احترام کیا گیا۔ ان کی تہذیبی روایت کا لحاظ رکھا گیا، ان کی تمدنی قدروں کو باقی رکھنے کی کوشش کی گئی۔ ان کے جذبات کی پامالی کسی طور نہیں ہوتی رہی تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ملک کے سچے، اچھے اور اونچے شہری بن کر قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے بہاؤ میں ساتھ نہ دیں۔ اس کے لیے اسلامی روایات سے دستبرداری ضروری نہیں ہے، جیسا کہ ملک کے سب سے بڑے سیکولرسٹ اور ہر طبقہ میں مقبول مسلمان رہنما مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا تھا کہ

"میں ایک مسلمان ہوں اور اس خیال سے مجھ کو فخر محسوس ہوتا ہے۔ گزشتہ تیرہ (۱۳) سو برس کی جو اسلامی روایات ہیں وہ میری وراثت ہیں، میں اس کو بال برابر بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، اسلامی تاریخ، اسلامی تعلیم، اسلامی آرٹ، اسلامی سائنس اور اسلامی کلچر، میری دولت کے اجزاء ہیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ میں اس کو محفوظ رکھوں ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں تہذیبی اور مذہبی حلقوں میں ایک مخصوص حیثیت رکھتا ہوں اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتا ہوں کہ میرے اس روحانی ورثہ میں کوئی مداخلت کرے۔" (ابوالکلام آزاد، اے میموریل والیوم، ہمایوں کبیر۔)

انہی خیالات کی ایک اور پرزور اور پراثر ترجمانی ڈاکٹر ذاکر حسین سابق صدر جمہوریہ ہند کے ان الفاظ سے ہوتی ہے، جو انھوں نے کاشی ودیا پیٹھ میں ایک خطبہ میں ادا کیے تھے

"آپ مجھے معاف فرمائیں گے اگر اس معزز مجمع کے سامنے میں صفائی سے یہ بات پیش کروں کہ مسلمانوں کو جو چیز متحدہ ہندوستانی قومیت سے بار بار الگ

Marfat.com

کھینچتی ہے اس میں جہاں شخصی خود غرضیاں، تنگ نظری اور آئیندہ کے مستقبل
کا صحیح تصور نہ قائم کر سکنے کو دخل ہے، وہاں اس شدید شبہ کا بھی بڑا حصہ ہے
کہ قومی حکومت کے ماتحت مسلمانوں کی تمدنی ہستی کے فنا ہونے کا ڈر ہے، اور
مسلمان کسی حال میں یہ قیمت ادا کرنے پر راضی نہیں اور میں بحیثیت مسلمان
ہی نہیں بلکہ ہندوستانی کی حیثیت سے بھی اس پر خوش ہوں کہ مسلمان قیمت
ادا کرنے پر تیار نہیں، اس لیے کہ اس سے مسلمانوں کو جو نقصان ہوگا سو ہوگا ہی'
خود ہندوستان کا تمدن پستی میں کہاں سے کہاں پہونچ جائے گا؟
ہندوستانی مسلمانوں کو اپنا دیش کسی اور سے کم عزیز نہیں ہے، وہ ہندوستانی
قوم کا جزو ہونے پر فخر کرتے ہیں، مگر وہ ایسا جزو بننا کبھی گوارا نہ کریں گے جس میں
ان کی اپنی حیثیت بالکل مٹ چکی ہو۔"

(۱) اردو کی دنیا، یوسف حسین، صفحہ ۲۱۰-۲۱۱

Marfat.com